

ماثر الشعراء

مرتبه: نصير علوی

ماثر الشعراء

یعنی

سالانہ مشاعرہ مین پوری منعقدہ ۲۶، ۲۷ اپریل ۱۹۳۰ء کی

غزلیات مع حالات شعراء

مترتبہ

سید محمد انصیر الدین علوی ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ دیکھ منصف مین پوری

شایع کردہ

سکرٹری مشاعرہ کمیٹی مین پوری

درمطبع قریح سیرت پرنٹنگ آفیس مطبعہ رشید

قیمت فی جلد ۸

مجموعه تعارف

صفحہ

- ۱۔ تبصرہ و تعارف (اگرستہ قادی) ۳
- ۲۔ روڈا و مشاعرہ (از نصیر علوی) ۱۲
- ۳۔ خیر مقدم (") ۲۳
- ۴۔ فہرست (") ۲۵
- ۵۔ خیالستان (غزلیات مشاعرہ) ۳۱
- ۶۔ نظر افستان (") ۱۴۵
- ۷۔ باقیات (بقیہ حالات) ۱۵۳

تبصرہ و تعارف

اصل مقصد تعارف کی انجام دہی سے پہلے مناسب موقع کے لحاظ سے بہتر معلوم ہونا ہے کہ پہلے ”مشاعرہ“ اس کی ایجاد اور اس کی موجودہ حالت اقصیٰ اصلاحت پر ایک مختصر اور نہ نظر ڈال دی جائے۔ موجودہ صورت میں مشاعرے دنیا میں کب سے قائم ہیں، کچھ یہ نہیں جانتا عرب میں شعر کسی خاص جذبہ سے متاثر ہو کر آزادانہ طور پر جو چاہتے کہتے عموماً وہ فی البدیہہ کہا کرتے اور سیلوں یا مذہبی جامع کے مواقع پر جیسا کہ ”سوق عکاظ“ کی تاریخ اور سبب معلقہ کے حالات بتاتے ہیں۔ وہاں کا شاعر کسی خاص دلیف و قافیہ کی پابندیوں میں بھی نہیں جکڑا گیا۔ یورپ بھی اس مذاق سے خالی اور وہاں کا شاعر بھی آزاد و مطلق تھا۔ ان انگلیڈ میں پیرس دوم کے ہندوستانیوں میں جب وہاں قہوہ خانے کھل گئے ہیں اور ان میں ان جل کر بیٹھے اور خوش بیلوں میں اوقات بسر کرنے کا مذاق رقی کر گیا ہے تو اتنا ضرور ہوتا تھا کہ شعرا اپنا تازہ کلام وہاں سنایا کرتے تھے تاہم کسی عتوان یا وزن و قافیہ کے پابند نہ تھے۔ جو جی چاہتا کہتے سنتے سناتے اور ایک دوسرے سے متاثر ہوتے تھے۔ ڈراماؤں کی ترنگات نے اسی دور میں فروغ پایا تھا۔ اس بدعت راہک حدیث حسنہ، کا سنگ بنیاد سرزمین ایران

میں لکھا گیا۔ وہاں کے متعلق بھی کوئی خاص نام مستعار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس امر میں دبیا
ایران کی مستند تاریخ، ”شعراۃ الجیم“ بھی خاموش ہے۔ البتہ علامہ شبلی مرحوم کے بیان سے اتنا
معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کے دور سے پہلے پہلے وہاں مشاعروں کی بنیاد پر چکی تھی کیونکہ
حسب بیان مہم ہونے ابتداءً آپ کا کلام ایسا کچھ ہوتا تھا کہ لوگ ہر محل دے معنی کلام کو ”خافضہ“
کے یعنی خطاب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ لیکن جس طرح بھی آپ نے کسب کمال کیا اس کے
بعد پہلی غزل جب مشاعرے میں پڑھی تو لوگوں کو تیرے تعجب ہوا۔ اور اس کے بعد پھر آپ نے
شہرت کی ایک نئی دنیا میں تدم رکھا۔

جب مسلمان ہندوستان پہنچے تو سلاطین مغلیہ ہند کے دور کے بعض واقعات بتلاتے
ہیں کہ ان کے دربار میں کسی ایسے شاعر کی عزائم مصرع بطر طرح دیا جاتا اور لوگ اس پر طبع آزمائی
کیا کرتے تھے۔ علامہ شبلی جہانگیر اور اس کی ترکہ میں جہانگیر کے دور شعر کا تذکرہ فرماتے
ہوئے رقمطراز ہیں۔

(۱) ”جہانگیر کے عہد میں ایک مرتبہ خانخاناں و عبدالرحیم بندیرم خاں اسے یہ غزل طرح
کی ٹریگل زحمت ہر خار سے باید کشید“ مصرع شکستہ تھا جہانگیر اسے فی البدیہ
مطلع کرا۔“

ساغر سے بر سرخ گلزار می باید کشید۔ یہ اب بسیار است سے بسیاری باید کشید
(۲) ایک دفعہ دربار میں امیر الامار کا یہ شعر پڑھا گیا
بگوز مسیح از سر پاکش تکان عشق
یک زندہ کردن تو بعد خوں برابر است
جہانگیر کے اشارے سے سب نے اس پر غزلیں لکھیں۔ خود کا

از من متاب رخ کہ نیم بے تو یک نفس
یک دل شکستن تو بصدخوں برابر است

اور یہ واقعات بتلاتے ہیں۔ ایران میں عرصہ دراز سے یہ طرز رائج ہو گئی تھی جس کا اتباع یہ لوگ کر رہے تھے تاہم سلاطین اور ارکے دائرے سے نکل کر اس طریقہ نے باہر قدم نہیں رکھا کیونکہ شخصی حکومتوں میں عموماً بادشاہ اور اس کے ایک خاص دائرہ ہی پر تمام علمی و فنی دنیا کی ترقیات کا دار و مدار ہوا کرتا ہے۔ اہل ملک بطور خود را اس طرف کم ہی توجہ کرتے ہیں۔

اردو نے جب جنم لیا ہوگا تو ہماں اور طور و طریقے فارسی سے سیکھے اس عالم میں بھی اسی کی پیروی ہو گئی۔ اردو سے معلیٰ دہلی کے مشاعروں کے قلم سے آج تک آبجیات سے جھل جھل کر فضائے بقا میں گونج رہے ہیں۔

در حقیقت زمانہ پیشینہ کے لئے کہ نشر و اشاعت کے سامان و ذرائع کی بہت کمی تھی یہ طریقہ احسن تھا۔ پھر ایک نو ایجاد اور اتفاقہ طور پر وجود میں آئی ہوئی زبان کی توسیع و ترقی کے لئے بہت ہی ضروری۔ اگلے زمانے کے مقابلوں کی کیفیت زور طبیعت و شور شاعری کو زبردست مدد دیتی تھی۔ سودا، میر، انشا، مصحفی، انیس، دبیر، غالب، و ذوق کے سوانح و حالات شاعری اس بیان کے شاہد صادق ہیں۔ پھر اس زمانہ کے مشاعرے مشاعرے نہ ہوتے تھے۔ اولیٰ زمانہ تھے کہ جہاں منعقد ہوتے لوگ عائد کو ایک خاص عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آج کل کا ساحل نہ تھا کہ ختم ہے تو مشاعرہ، عقیقہ ہے تو مشاعرہ، شادی ہے تو مشاعرہ، غسل صحت ہے تو مشاعرہ، کیا ہوا تفریح گاہ اور شاعر کیا ہوئے خدا نخواستہ ارباب نشاط کہ بجائے ساز بدست ہونے کے ساز بیا ز در بعل و نغمہ در گلو۔ گرمی محفل کا باعث ہوتے پھرتے ہیں۔

کچھ زمانہ کے بعد ان کے لیے کچھ قافیہ نگار اور محقق ترقی پزیر ہوئے، انسان گری

اس زمانہ میں کفایت و خلاقیت و حسد و انکسار کے دو سرسے کی داغ بیل آئی۔ اور شاعرانہ ہر پہلو سے

مذاہروں کی حالت ایام جاہلیت عرب کی مثل ہو گئی ہے کہ

کبھی پائے پیئے پلانے پہ جھگڑا کبھی گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا ہے

مقدمہ پہ پہلے پڑ جانے پہ جھگڑا، بالائے نہ بنانے پہ جھگڑا، داد دینے والے پہ جھگڑا، حسب

انجائے خاطر کرنے کے نہ پڑنے پہ جھگڑا۔ میری رائے میں خوشگوار تعلقات کو تلخ اور اسٹم شکستہ کو

پشیمودہ کرنا جو تو مشاعرے منعقدہ اور ان میں شرکت کرنے سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔ لہذا ہر سائل

اجبازات، مطالب اور اسباب نشر و اشاعت تخیلات کی بہتات و فزادگی کی موجودگی میں

اب مشاعروں کی ضرورت نہیں خصوصاً جبکہ غزل کا قافیہ تنگ ہو گیا ہو اور نصف صدی سی

زائد روایت و قافیہ کی پابندیاں شعر کے بڑھے ہوئے حوصلوں، رواں طبعیتوں اور آزادیوں

کا کافی سے زائد خون کرجی ہوں اور اگر لوگ اس رسم قدیم کی پابندی کو ضروری ہی سمجھتے

ہیں تو بہت ہی زبردست اصلاح کی ضرورت ہے اور مندرجہ ذیل سفی رفاہم کے بعد یہ

مشاعرے کچھ مفید مطلب ثابت ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک آل انڈیا مشاعرہ کمیٹی قائم کی جائے اس کے قواعد و ضوابط مرتب کر کے کتابی

صورت میں شائع کر دیئے جائیں۔ اس کا ایک ہفتہ وار آرگن ہو جس میں ادب لطیف

کی منتخب شاہکاروں کے علاوہ لائحہ عمل کی ترمیمات اور ان کے متعلق تجاویز و اصلاحات

برابر شائع ہوتی۔ تاکریں۔ اس کا صدر دفتر دہلی لکھنؤ، آگرہ، لاہور، حیدرآباد میں

سے کہیں قائم کیا جائے اور سالانہ مدعو شدہ مقام پر اس کا اجلاس ہوا کرے۔

(۲) حسب مناسبت دیہات اور قصبہ رت میں شاخیں کھولی جائیں۔ جو اپنے اصرار کی مجلس

مشاعر کے ماتحت ہوں اور مجالس امما و کشمیری کے مرکزی مجلس کے اور قسمتی مجالس صوبہ واری مجالس کے اور وہ آل انڈیا مشاعرہ کمیٹی کے ماتحت ہوں اگر اور سبیل کشمیری و قسمتی انجمن اپنا ایک ایک آرگن ضرور جاری کریں

(۳) مشاعرے ہونا ہوں لیکن بدیں صورت کی روایت قافیہ کی پابندی نہ ہو ایک رنگی پسند کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بجز اور روایت کی قید لگا دی جائے۔ عنوانات بھی دیئے جائیں کہ شعراء ان پر طبع آزمائی کر کے نظم نگاری کے نوکرن جائیں۔ ہر مشاعرے کا ایک باقاعدہ صدر ہو جو ایک خطبہ صدارت بھی پڑھے اور اس میں شعر و شاعری پر باقاعدہ تبصرہ کرے۔

(۴) مقامی طور پر تو ترتیب کا یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ پہلے تو مشق شعرا غزل یا نظمیں پڑھیں پھر کس مشق حضرات اہل لکھنؤ کا تتبع کریں کہ حلقہ باندھ کر یہ ٹیپیں سکرٹری مجلس سے غزل شروع ہو اور اس کے داہنے جانب سے پڑھنے والوں کا تار بندھ جائے۔ کوئی مقدم ہو یا موخر۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر شخص کا کلام بجائے خود ایک پایہ لکھتا ہے۔ حالانکہ شاعر نہیں بلکہ ایک لکڑی ہے۔ اور جب مجلس مرکزہ کے جلسہ میں یا کہیں باہر جا کر اپنا کلام پیش کریں۔ تو فہمان را افضولی چہ کار پر عامل ہوں۔ میزبان یا انجمن کی مجلس منتظمہ جو ترتیب قائم کرے اس کو بخاطر خاطر پسند کر لیں اور زبان کو شکایت آشنا ہونے دیں۔ میزبان اور مجلس منتظمہ کے لئے میرے خیال میں سرحدیہ قریہ احمد انڈی زیادہ مناسب صورت ہے۔ اور وہ بھی جب تک تقدیم و تاخر کا نظریہ قائم ہے۔

(۵) مقامی مجالس یا مدعو کرنے والی جمعیتیں مقامی تو مشق و متوسط مشق حضرات کا مشاعرہ ایک روز پہلے کر کے منتخب شعراء اور ان کے منتخب کلام کو مجلس شاعرہ میں

دوسرے دن بار دیں اگر فیصیح اوقات و طول صحبت کا بجام بھرنہ ہوا ہے۔ غلطی و عدم تو بھی اور کچھ نہیں۔

(۷) ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ منصب استادی کے متمنی حضرات اپنے اس طرز عمل کو قطعی ترک کر دیں کہ شاگردوں کو اراکین یا غزل لکھ کر دیجائے جو شخص ایسا کرے اس کو شاعروں کی برادری سے خارج کر دیا جائے۔ ہاں اصلاح ضرور دیں۔ شاگرد کا دل پر بٹھانے یا غزل کی واقعی کمی پورا کرنے کے لئے ایک آدھ شعر دیں تو مضائقہ نہیں۔ درحقیقت یہ حضرات شاعری اور ایک امکانی بننے والے شاعر کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔

(۸) کسی جگہ مدعو ہوئے پر تلامذہ اور احباب کی فوج لیکر جائنا میرزاؤں کی دفتروں میں اصناف کثرت ہے اس سے شاعر کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مختلف علوم و فنون کے بہت سے ایسے مشاہیر ملیں گے جن کے تلامذہ تو کم غصے لیکن بھر بھی انھوں نے ایک خاص پایہ امتیاز حاصل کیا۔ وہ کسی اسکول کے بانی ہوئے۔ اس لئے اس عادت کو ترک کیا جائے۔

(۸) اگر کوئی مدعو کرنے پر ماحول کے واقعات سے مجبور ہو کر نہ آئے تو برا نہ مائیں۔

(۹) ہر میزبان اپنے مہمان کی مدارات حتی الوسع بخوبی کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ مہمان کو ذرا بھی تکلیف ہو۔ پھر بھی وہ غیب داں نہیں ہوتا۔ لہذا مہمان کے موافق و ناموافق مزاج امور معمولات اور خصوصیات سے بغیر آگاہ کئے ہوئے اس کا مطلع ہو جانا ممکن ہے۔ اس لئے اول تو مزاج کو سادگی پسند بنانا چاہئے۔ دوسرے میزبان سے بے تکلف اپنی ضروریات خصوصیات کو بیان کر دینا چاہئے اور اگر اس پر کمی کوتاہی ہو تو دل گرفتہ نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ کوئی شاعر جب مشاعرے میں جاتا ہی تو ایک ادبی

خدمت انجام دیتا ہے۔ ایک خادم کو دوران خدمت اگر راحت نہ ملے تو اسے موقع فراغت
کیا۔ داعی میزبان بھی تو خلافت معمول کچھ تکلیفیں ہی اٹھاتا ہے۔ لہذا خود کو اور اسے
مساوی سمجھنا چاہئے۔

(۱۰) مشاعرے کا انتخاب پابندی قافیہ اساتذہ کا پورا کلام اور تمام شعراے شریک شاعرہ
کے حالات ایک باضرورت شائع کئے جائیں۔ ترقی کرنے والے شعرا کے حالات و
تغیرات پر حالات گزشتہ کے سلسلہ میں برابر اضافہ کیا جائے تاکہ آئندہ زندگی میں وہ
شاعری کے لئے کوئی مفید ہستی یا کسی طرز خاص کے بانی قرار پائیں تو ان کے حالات
شاعری اور اس طرز خاص کے تعمیری غلط و اسباب آسانی کے ساتھ معلوم ہو سکیں۔
اور شعبہ تاریخ ادب کے لئے سرمایہ مسلسل تیار ہوتا ہے۔

(۱۱) ایک جمعیت باقاعدہ بیٹھکر تشنیات، استعارات، تلمیحات اور اسالیب بیان میں سے
فرسودہ اور پامال چیزوں کو خارج کر دے اور آئندہ کے لئے ایک اسکیم بنا کر تعلیم عمل دے۔
یہ ہیں وہ سرسری و سطحی اصلاحیں جن کے بعد شاعروں کی دنیا ادبیات کو فائدہ پہنچا سکتی
ہے۔ اور شاعری کچھ ترقی کر سکتی ہے۔

اس ہرزہ سرائی کے بعد جو غالباً نغمہ بے ہنگام سے کم نہیں ہیں اصل مقصد یعنی "تعارف"
"ماثر الشعراء" کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

مین پوری کا مشاعرہ مورخہ ۲۶ لغایت ۲۷ اپریل ۱۹۳۷ء اپنی نوعیت میں ایک
بہترین مشاعرہ تھا۔ کافی شعرا تھے۔ کافی سے زیادہ اچھا کلام تھا۔ انتظام بہت ہی اچھا
تھا۔ یہ اسی کی غزلیات ہیں جو کتابی شکل میں مشاعرہ کیٹیجے نے نذر ارباب ذوق کی ہیں۔
انہیں ضل مرتب جٹا نصیر الدین صاحب نصیر علوی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی منصف

پوری اور ابی کے نو بابیت سرقرین ہو جائے۔ ثانی کے ساتھ سے حالات شعر اتر تیب دیا ہے۔

نادرین صاحب کے حالات سے واضح شعر کے ذیل حالات ۱۱۱ پر ملاحظہ فرمائیے ان کے

ذوق ادبی کے مطابق میں کہوں گا کہ خزانہ فیض کی ادائیگی اور استراحت تحقیقی کے پورے وقت

کا شاید ہی کوئی لمحہ ادبی مصروفیت سے خالی جاتا ہو۔ انہیں ہر وقت ترقی ادبیات کی ایک

دھن لگی رہتی ہے۔ ان کا منظر جمع اوباد اہل علم ہے۔ صوح کی اسی علمی مشغولیت و نجسپی ہی

تایا بحث ہے کہ انہوں نے ایک معمولی سے مشورے "غزلیات مع سوانح" کی ترتیب کو نہایت

اختصار اور جامع و مانع طریق پر عملی جامہ پہنا دیا۔ کہنے اور کرے میں بڑا فرق ہے۔ ہر شخص سے

اس کے حالات طلب کرنا خطوط یا دوفا بیچنا، ان حالات کو پڑھنا، ایک معنی خیز اختصار

کے قالب میں ڈھالنا، کار دشوار تھا جس کو موصوف نے نہایت عمدگی کے ساتھ انجام دیا ہے۔

ساتھ ہی اس کے "روداد" کے ذیل میں مین پوری کی شاعری اور مشاعروں کی تاریخی نویت

اور ان کے ارتقا پر معقول تبصرہ کیا ہے۔

مجھے یہ عرض کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کہ اس میں ایک خاص کمی رہ گئی یعنی شعرا

کی خصوصیات کلام اور ان کے کلام پر ریویو نظر انداز ہو گیا۔ لیکن اس امر کو جناب نصیر صاحب

کی فریاداشت نہ سمجھتا چاہئے کیونکہ موصوف ایک غزل ملاحظہ کر کے کوئی رائے قائم نہیں

کیسکتے تھے۔ اس کے لئے ہر شاعر کا معقول کلام پیش نظر ہونا چاہئے تھا۔ جہاں تک

مجھے معلوم ہو سکا حقیقتاً یہ کوتاہی حالات بھیجنے والے حضرات نے کی کہ اپنے زاویہ نگاہ

شاعری سے مطلع نہ کیا۔ خیر ہر کام کی ابتدا ایسی ہی ہوتی ہے۔ نقاش نقش ثانی بہتر کشد

زاد۔ آئندہ یہ کوتاہیاں رفع ہو جائیں گی۔ بہر صورت چونکہ "ماثر الشعراء" ایک مختصر

"قاموس الشعراء" (Poets Encyclopedia) کا حکم رکھتی ہے۔ اور

ادبیات اردو میں ایک نئے باب کا افتتاح کر رہی ہے۔ اس لئے جناب نصیر جھنوں نے اپنے دیباچہ تبار و نداد میں شکریوں کے انبار لگائے ہیں۔ اردو کی ادبی دنیا کی جانب سے ایک خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔

ساتھ ہی نظیر الدین احمد صاحب ظہیر علوی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ بھی جھنوں نے تیرے علم میں منصف صاحب کے دوست بدوش مشاعرہ اور ترتیب مشاعرہ میں کافی رحمت اٹھائی غالباً نصیر صاحب نے ان کو براہِ خوردِ سمجھ کر یہ اہران کی فطری قوت بازو کے خود بخود سے کی بنا پر نظر انداز کیا۔

ناچسپس
کشتہ۔ قادری

مدرس السنہ مشرق

گورنمنٹ ہائی اسکول

میں پوری

۱۲ فروری

۶۳۱

رُودادِ مشاعرہ میں پوری

متفقہ ۲۹ لغایہ ۲۷ اپریل ۱۳۹۷ء

میں پوری ایک جانب رُودادِ دہلی اور دوسری طرف منشائے اردو لکھنؤ سے قربت قریب رکھنے کے علاوہ دہلی و لکھنؤ کی خوشگوار مرکب اردو کے مرکزِ ارض تاج راگرہ کے جواد میں واقع ہیں اور ایک سرسبز و شاداب خفقہ ہے۔ اور انہیں طبعی، جغرافیائی و ماحولی اسباب نے اس کو شعر زار بنانے میں کمی و کوتاہی نہیں کی۔ اور وہ ہمیشہ ایک ممتاز یا یہ ادب کی مالک بنی رہی۔ مگر یہ معلوم کیوں اس کے نجم درخشاں فلکِ شہرت پر جلوہ گر نہ ہو سکے۔ تاہم حضرت منیر اعلیٰ السد مقامہ کی شخصیت جو اس ضلع کے ایک ممتاز قصبہ شکوہ آباد کے متوطن تھے آسمانِ ادب پر نیز تاباں بن کر چمکی جس نے اس سرزمین کو عالمِ ادبیات میں اس طرح روشناس کرا دیا کہ اربابِ ادب اُسے کسی نوجو و فراموش کر ہی نہیں سکتے۔

میں پوری نے اپنے متذکرہ بالا ادبی وقار کو کبھی حودہ نہیں ہونے دیا۔ اور کم از کم مشاعروں کی صورت میں وہ احوالے و ارتقائے ادب کی دوڑ میں ہمیشہ ایک سعی کامیاب کرتی رہی۔ میں پوری کے مشاعروں کے ابتدائی تاریخی حالات تو قطعی تاریخی میں ہیں۔ البتہ یہ ضرور یہ چلتا ہے کہ اُسے پینتالیس سال قبل میر ظاہر علی قاسم فرخ آبادی و تلمیذ صفیر فرخ آبادی مرحوم، مولوی عبد الوحید قذافی و ٹھوڑی اور منشی حیات بخش رسا فرخ آبادی، دیوبند پرشاد

مائل میں پوری دہلاؤ نہ نواب مرزا دافع مرحوم کے زمانہ میں جبکہ ہاشم خانے مائل یہ حضرات
سلسلہ ملازمت عدالت ہائے دیوانی و فوجداری متین میں پوری تھے۔ یہاں شعرو شاعری کے
خوب خوب چرچے کیے۔ اور ایک مشاعرہ قایم ہوا جو کچھ زیادہ باقائیدہ نہیں تھا۔

مولانا محسن کا کوہی مرحوم ایک مددگار و یار تک رہا۔ کمالیت مقیم ہونے پر پوری رہے۔
آپ کا دستور تھا کہ جب تازہ کلام تصنیف فرماتے تو اپنے یہاں معین فہم و سخنگو حضرات کو جمع کر کے
سنایا کرتے تھے۔ اور اس طرح ایک اچھا خاص نفع شعرا پر کیا جاتا تھا۔ اور اس طرح رہم
پیشینہ مشاعرہ میں پوری کی ایک گونہ تجدید بھی ہو گئی۔ تاہم کئی درکار پر شاد صاحب چیف ایڈر
کیے یہاں جو اس زمانے کے ادبی مذاق رکھنے والے حضرات ہیں پوری میں ایک ممتاز ہستی تھے۔
باقائد مشاعرے ہونے لگے۔ مولانا نے مرحوم کے صاحبزادے مولوی نور الحسن (صاحب فی الخا)
نے مولانا کے بعد میں وکالت کی۔ اور اس صحبت کو قائم رکھا۔ آپ ہی کے زمانے میں مولانا
مشاعرہ کی بنیاد پڑ گئی تھی جس نے ۱۹۱۰ء سے ایک منضبط و منظم صورت اختیار کر لی
اس وقت سے اس وقت تک شاید ہی کوئی سال گزرا ہو جس میں ایک شاندار کامیاب
مشاعرہ نہ ہوا ہو۔

۱۹۲۳ء میں پوری میں نمائش قایم ہوئی اور بنظر سہولت و اجتماع "مشاعرہ"
جو نمائش بنادیا گیا۔ اس سلسلہ کا "مشاعرہ" بابتہ تاریخ ۱۹۲۱ء جو تفریح الشعرا جناب
محمد اسماعیل صاحب رنگین کی یادگار میں منعقد ہوا۔ یہاں کے تمام گزشتہ مشاعروں میں سب سے
زیادہ شاندار و نمایاں تھا۔ اس مشاعرہ کی غزلیات "فانوس خیال" کے نام سے طبع ہو کر اب نظر
کی جاذبیت تام حاصل کر چکی ہیں۔

تاریخ ۱۹۲۳ء میں گرائی اور عوام کی پریشانی کے باعث "نمائش کیٹی" میں پوری نے

”انٹوائس“ کے نمائش“ کا اعلان کیا۔ چونکہ نمائش ”وہ مشاعرہ“ لازم و ملزوم بن گئے ہیں۔ لہذا ادبیات سے مذاق رکھنے والوں کو اس سال انتقاد مشاعرہ سے بھی قطعی مایوسی ہوگئی۔

یہ احرار خاص طور پر قابل عرض ہے کہ قریب قریب پچاس سال سے مجالس شعریہ میں پوری کی سرپرستی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا عدالت مائے میں پوری کے اہلکاروں اور حکام ضلع میں پوری دو کلاس کے حصہ میں آگئی ہے۔ پچھلے دس پندرہ برس میں چمنستان ادب کی آبپاری کا سہرا حضرت اصفہرین پوری (مختار داتریری اسٹنٹ کلکٹر میں پوری) کے سر رہا ہے۔ اور خان بہادر مولوی زین الدین صاحب پشتر کلکٹر میں پوری دنی اسحاق خراجی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مساعی ترقی و تربیت تو ایسی زبردست ہیں کہ آج تک تذکرے کے واسطے ایک جگہ نہ پمفلٹ کی ضرورت ہوگی۔

مائل، صادق اور شاد صاحبان کے اسماء گرامی بھی اس امر میں عموماً فراموش کرنے کے قابل نہیں۔ کلکٹر صاحب موصوف کی تشریف بری کے بعد سے عموماً تمام ہی کلکٹر صاحبان مشاعروں کی سرپرستی کرتے رہے ہیں چنانچہ اس سال بھی جبکہ مشاعرے سے قطعی ناامیدی ہو چکی تھی یہی سرپرستی قیام مشاعرہ کا باعث بن گئی۔ تقریب یہ کہ ایک دن برسپیل تذکرہ عالی جناب خان بہادر مقصود علی خاں صاحب کلکٹر ضلع نے یہ فرماتے ہوئے سنت کلکٹر میں پوری کو ادا کرتے ہوئے ترغیب مشاعرہ و داد ادب نوازی دی۔ ”نمائش نہیں ہوئی تو کیا اس سال مشاعرہ بھی نہ ہوگا؟“ ساتھ ہی اس ادا کا وعدہ بھی فرمایا جو نمائش کے سلسلہ میں ہمیشہ شعیبہ مشاعرہ کو دیکھا جاتا ہے۔

مثل مشہور ہے ”الناس علی دین ملوکہم“ کلکٹر صاحب کا ارشاد ایک صورت بیداری و جوش و ہمت تھا جس کی صدا نے مختلف گان غفلت کو ایک دم چونکا دیا۔ اور قریب قریب

تمام ہی حکام، وکلاء، اہل کار اور اہل ذوق بہم اندر کے کھڑے ہو گئے اور طرفہ العین میں مشاعرے کی اسکیم دائرہ تجویز سے نکل کر میدان عمل میں آ گئی۔

۲۶ اپریل سنہ ۱۳۶۶ء تاریخ مقرر کی گئی۔ دعوت نامے ارسال ہوئے اور بھینٹی کے ساتھ تاریخ مشاعرہ کا انتخاب ہونے لگا۔

یوں تو قریب قریب تمام ہی مشاہیر مدعو کئے گئے تھے اور سب ہی تشریف نہ لاسکے لیکن علم برداران ادب اردو کی ایک معقول تعداد نے حوصلہ افزائی سے کام لیا۔

اجلاس و مسئلہ صدارت

مشاعرے کی تین نشستیں ترتیب دی گئی تھیں۔

(۱) ۲۶ اپریل سنہ ۱۳۶۶ء کو ۸ بجے رات سے گیارہ بجے رات تک

(۲) ۲۷ " " کو ایک بجے دن سے پانچ بجے شام تک

(۳) " " کو آٹھ بجے رات سے بارہ بجے رات تک

ایک نشست کے لئے جگت موہن لال رداں اماوی، دوسری کے لئے جعفر علی خاں

اور تیسری کے واسطے ایس۔ ٹی۔ ہالنس انسپکٹر جنرل پولیس آگرہ رینک کا

انتخاب ہوا تھا۔ مگر سوئے اتفاق سے اسی زمانے میں ہندوستان جنگ ٹکٹوں کا میدان

کارزار بن گیا تھا۔ اور اس نے خلاف امید مشاعرے کو ایک حد تک بے نمک کر دیا۔

اثر صاحب نے بعض منصبی فرائض کی مجبوریوں کی بنا پر مندرجہ ذیل کے مطابق

معذرت چاہ لی۔



بہت خراب ہے۔ پاؤں میں آگیا ہے جو بہت ہی خراب علامت بتلائی جاتی ہے۔
 حکیم صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں۔ کسی طرح یہاں سے غیر حاضر ہونا مصلحت نہیں ہے۔ امید
 کہ آپ معاف فرمادیں گے اور جناب اصغر صاحب سے بھی میری مجبوری بیان فرمادینگے۔

نیازمند سزاواں

مسٹر انیس آگرہ سے بقصد شرکت مشاعرہ روانہ ہو چکے تھے۔ شکوہ آباد تک پہنچ کر
 معذرت کناں واپس آگرہ ہوئے۔

آخر ۲۴ اپریل کی شام آپہنچی اور معزز ہمالوں نے اپنے قدوم میں منت لزوم سے
 مین پوری کو معزز و ممتاز کرنا شروع کر دیا۔

۲۶ کو بھدرت سید تاجید صاحب زیدی سابق روح رواں مشاعرہ و ڈپٹی کلکٹر

مین پوری و حال متعینہ فرخ آباد افتتاح مشاعرہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نیازمند نے
 منظوم سپاسنامہ خیر مقدم پیش کیا۔ اس کے بعد جناب پنڈت سندرنارائن مشران ایم۔
 آر۔ اے۔ ایس (الندن) رئیس فرخ آباد نے ایک پر مغز و پر معلومات تقریر کرتے ہوئے
 مشاعروں، ان کی اپنی نوعیت اور مشرقی ادبیات پر بصیرت افروز روشنی ڈالی۔ پھر معزز
 شعرا نے اپنے کلام سے حاضرین کو لطف اندوز کیا۔

دوسرا مشاعرہ یادگار غالب حضرت امر ناتھ صاحب سا حردہلوی اور تیسرا مشاعرہ

حضرت بزم اکبر آبادی کے زیر صدارت منعقد ہوا۔

ہر نشست بحیثیت سامعین شعرا اور کلام کے ایک بہت ہی کامیاب مجلس تھی۔
 اور یہ اخص طور پر قابل تحسین و تذکرہ کہ باوجود شائقین و سامعین کی تعداد کی فراوانی کو
 مجمع مودب اور پرسکون تھا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جو اعلیٰ پیمانہ کے بہت ہی کم مشاعروں

کونا تہ آئی بہتہ۔

سب سے پہلے تو میں اپنے ضلع کے معزز کلکٹر خان بہادر مہمود علی خاں صاحب کا
جن کی تحریک و ترغیب و توجہ نے دراصل مشاعرہ ہذا کو اس برترین صورت میں انجام تک پہنچایا
دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کے بعد ان تمام حضرات شعراء و اساتذہ فن کا جنہوں نے صعوبات سفر برداشت
کر کے ہماری عزت افزائی فرمائی، علی الخصوص مندرجہ ذیل اصحاب کی خدمت میں مخصوص جذبات
تشکر نذر ہیں:-

آشفقہ لکھنوی، آفتاب اکبر آبادی، الجھانسی، آحسن مارہروی، امرنا تھ ساحر دہلوی،
امرنا تھ محسن امرتسری، بزم اکبر آبادی، جگر مراد آبادی، ساغر نظامی، سیلاب اکبر آبادی،
طیش مارہروی، عاشق ڈبائیوی، مائی جاسی۔

اس کے ساتھ ہی میں اپنے تمام معزز مہمانوں سے ان تمام فروگزاشتوں کی جو ان کی
مدارات کے درمیان عمل میں آئی ہوں۔ دست بستہ معافی چاہتا ہوں۔ العذر عند کرام الناس قبل

ہیں۔ آئینی سرن شاد میں پوری (منصف بھوپال، ہماری چرن صادق میں پوری،
دسبج بھوپال، اور سید شارجہ صاحب زیدی، مسطو الصدر) کا جدا گانہ اور نمایاں طور پر
شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے مسلسلہ ملازمت یا تبادلہ باوجود مشاعرہ ہانے میں پوری
سے یک گونہ قطع تعلق کے بعد بھی اپنی تشریف آوری و تکلیف فرمائی سے ایک زبردست محنت
کا اظہار کیا۔ اس خلوص کی مسرت و امتنان کو کچھ ہمارے قلوب ہی خوب محسوس کر رہے
ہیں۔ الہم زد و فرزد۔

میں ان تمام حضرات کا بھی جنہوں نے قبول دعوت سے معزز فرمایا اور کسی خاص مجبوری

کی وجہ سے شرفیت نہ لاسکے۔ علی الخصوص رواں انادی، اثر لکھنوی، قافی بدایونی، مسرہائیس کا بچہ متشکر ہوں۔ یا زندہ صحبت باقی۔

مجھے تمام سرپرستانِ مشاعرہ، حکام پرگنہ جات، افسران پولیس اور حکمہ کار کنوڑا کا بہت ہی پر خلوص تشکر ادا کرنا چاہیے جن کے پر خلوص اور ملی مساعی نے اس مشاعرے کو اس قدر کامیاب بنایا خصوصیت کے ساتھ

(۱) پانڈے بگدیش پرشاد صاحب حاکم پرگنہ صدر تحصیل

(۲) قاضی مردان علی صاحب تحصیلدار تحصیل حضور

(۳) فرحت علی خاں صاحب پولیس انسپکٹر شہر

(۴) بابو کالچن صاحب مہار خارا اور مشاعرہ ملائے مین پوری کے باوا آدم حضرت اصغر

مین پوری دآزیری اسسٹنٹ کلکٹر مین پوری، تشکر خاص کے مستحق ہیں۔ درحقیقت اگر ان حضرات کی توجہ خاص شامل حال مشاعرہ نہ ہوتی تو مشاعرہ بدیں حسن و خوبی انجام پذیر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

پینڈت رام سروپ صاحب قانون گو، بابو گھونڈن پرشاد صاحب نائب تحصیلدار کنوڑا صاحب چونچ سیکریٹری میونسپل بورڈ، بابو میشر پرشاد صاحب سینڈھی انسپکٹر اعظم علی خاں شیخ قیاض احسن مرحوم کامیں بچہ متشکر ہوں کہ ان حضرات نے گوناگوں انتظامات میں مدد سے زیادہ معاونت فرمائی۔

منتظین لال سنگھ دمان سنگھ آشرم اور جیر مین صاحب میونسپل بورڈ مین پوری کامیں بچہ ممنون ہوں۔ اول الذکر حضرات نے آشرم کی عمارت انفقاد مجلس مشاعرہ اور موزع الذکر نے ہنگامہ بنا پر قیام شعرا عنایت فرما کر اپنی ادبی سرپرستی کا ثبوت دیا تھا۔

مجھے ابھی دو خاص شکر کیے اور ادا کرنے ہیں۔

اول خان بہادر زین الدین صاحب سابق کلکٹر مین پوری دھال خزانچی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا جنھوں نے اپنے دست ادب نواز سے موجودہ صورت میں مشاعرہ ہائی پوری کی بنیاد ڈالی۔ اور اپنے عہد میں ہر مشاعرہ عدیم المثال طور پر منعقد فرما گئے۔ کہ باوجود ساری طبع ہم لوگوں کے اصرار پر علی گڑھ سے مین پوری تشریف لائے۔ اور حسب دستور قدیم تمام شب شریاکر مشاعرہ رہ کر حوصلہ و عزت افزائی فرماتے رہے۔

دویم مسٹر یوٹم سپرنٹنڈنٹ پولیس مین پوری کا اگر گو مدوح کو فطرتاً ادبیات اردو سے کوئی خاص لگاؤ نہیں۔ مگر محض رواداری اور معاصرین ہمرنگ بن جانے کی اہلیت کے حامل ہونے کے باعث شب کی دونوں نشستوں میں نصف شب تک خندہ پیشانی کے ساتھ شریاکر صحبت رہے۔

میں ان تمام حضرات سے جنھیں میں نے اسم دار و ابیے رسم شکر میں فروگزاشت کر دیا ہو معافی چاہتا ہوں۔ موصوفین اس اہمال کو میرے سہو پر محمول فرمائیں۔ نہ دانستہ جرات بے موقع پر۔

اب مجھے نفس مشاعرہ کے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ہے۔ مشاعرہ اپنی نوعیت میں خوب ترین تھا۔ کلام کے متعلق مجھ جیسے بد مذاق کا اپنی رائے پیش کرنا کار عبث ہوگا اس لئے اس امر کو نکتہ دانوں کے ذمہ چھوڑتے ہوئے غزلیات مشاعرہ کو ہدیہ شائقین ادب کرتا ہوں۔

ترتیب غزلیات مشاعرہ میں ایک بہت ضرور برتی جا رہی ہے۔ اور وہ یہ کہ سخن کے ساتھ سخنوروں کے مختصر حالات بھی پیشکش ہیں۔ دراصل یہ خیال مین پوری گورنمنٹ ہائی

اسکول مدرس السنہ مشرقیہ مولانا "کشتہ" تاجوری کی تحریک پر پیدا ہوا۔ میرا وقت بوقت مشاعرہ بہ خیال تھا کہ ہر غزل شعرا کی تصاویر کے ساتھ پیش کی جائے۔ مولانا نے موصوف سے تبادر خیال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تصاویر سے صرف قیافہ شناس حضرات ہی کچھ شاعر کی شخصیت کے متعلق اندازہ لگا سکیں تو لگا سکیں۔ بہر حال ادبی دنیا کو کوئی فائدہ نہ پہونچے گا۔ اگر آپ حالات فراہم کر کے غزلوں کے ساتھ شائع کر دیں اور ملک اس طرح کو پسند کرے تو آئندہ ایک مستقل مذکورہ نگاری شعرا کی بنیاد پڑ جائے گی۔ بادی النظر میں مولانا کی یہ رائے ایک عجیب سی تھی۔ تاہم یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ اس پر عمل کیا جائے اور اخبارات کے علاوہ فروغاً خطوط کے ذریعہ سے حضرات شعرا سے شرکائے مناظرہ سے ترسیل حالات کے متعلق عرض کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے ادب لوازمیتوں نے اس طرز خاص کا خیر مقدم کیا چنانچہ جنت طراز و جدت پسندان ادب اردو کے فرد نمایاں "ساعر نظامی" سابق مدیر مستقبل و حال رکن ادارت "پیمانہ" اپنے عنایت نامہ "ارجون سنہ" میں اقطران ہیں۔

"مشاعرہ کی اشاعت جس نوعیت سے آپ فرماتے

ہیں وہ ایک اقدام ہے کامیاب۔ اور میں

آپ کے اس کامیاب اقدام کو بہت مفید

مناسب خیال کرتا ہوں۔ اس طرح آپ رسمی

طور پر غزلوں کو شائع کرنے کے ساتھ ساتھ مجموعہ

کو ایک تذکرہ کی حیثیت بھی دیدیں گے جو اب تک

ایک مستقل قیمت ہے۔"

فراہم کس سے ہے کہ بہت سے حضرات نے باوجود مسلسل یاد دہانیوں اور درخواستوں کے

ماثر الشعار کے نام سے بھی شادہ فرمایا جس کی بنا پر بہت سی غزلیں اس کیفیت
 نام سے نامی رہ گئیں۔ اور مجموعہ ہذا کی ترتیب و اشاعت میں بھی ناقابل تلافی تاخیر ہو گئی۔
 اور پھر ہی "باقیات" کا ایک باب اور کھولنا پڑا۔
 مجموعہ ہذا "ماثر الشعار" کے نام سے موسوم تین حصوں

(۱) خیالات

(۲) ظرافتیں

(۳) باقیات

اور حصہ اول "ادب لطیف" حصہ دوم "ادب ظریف" اور حصہ سوم باقیات پر مشتمل ہے
 ان حصوں اپنی اپنی جگہ پر لغات کے طرز پر حروف تہجی کی پابندی سے ترتیب دیئے
 گئے۔ غزلیات میں کوئی انتخاب نہیں کیا گیا ہے۔ جبکہ بادلیج کردی گئی ہیں۔ البتہ چند
 دھار سے زائد والی غزلیات سے تعداد مقررہ کے علاوہ مقطع کے اوپر والے اشعار کو نکال دیا
 گیا ہے اور یہ بھی بہت ہی کم ہوا ہے۔

میں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ ۲۸ اپریل کو ہندی "کبتا سمیلن" کا اجلاس بصدارت پنڈت
 بے کرن ناتھ صاحب اوگرا ڈپٹی کلکٹر میں پوری منعقد ہوا تھا۔

میرے خیال میں اب بجز جمع خراشی کی معافی کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ لہذا رخصت
 پھر ملیں گے اگر خدا الایا

نصیر علوی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ منصف

۲۰ جنوری ۱۹۷۷ء

بایعہ حلاص

معزز شعرا کے رام اہم آپ کے شایان شان خاطر و مدارات کی خوشگوار مدت
سے کسی طرح عمدہ برائیاں ہو سکتے ہو مہم کی سختی دور و دراز مقامات سے سفر
کی تکالیف یہ سب آپ کی عظمت کا کرم اور احسان ہے سرزمین میں پوری عرصہ
تک آپ حضرات کے فیض قدم سے مالا مال رہے گی۔ اور فہم تپن مشاعرہ ممنون مشکو
نیا گز گیش: مسید تعبیر الدین غدوی از منصف زمین پوری - ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء

بیت

فیض فطرت سے عجب فرحت کا سامان ہو گیا پتہ پتہ باغ کا شمع و شہزادیاں ہو گیا
کھل گئے غنچہ چین کی حُسن عیاں ہو گیا فصل گل آئی عروسِ نوکستاں ہو گیا
بھر کے ساتی نئے ریادہ جام مہربانے طرب
اہل بندش کو نظر آیا تماشاے طرب
اب فضا بدلی ہوئی ہے اب کہاں غم کو شیاں خم پہ خم چلنے لگے ہوئے نگین سے نوشیاں
بیخودی میں بھر کہاں ممکن تھیں پردہ پوشیاں حسن کی آنکھوں نے دکھیں عشق کی ہوشیاں
خاکِ گلشن پر ہزاروں حشرِ بر پا ہو گئے
پھول آنکھیں کھول کر محو تماشا ہو گئے

آفریں اے خوبی گلستاں جانِ چمن حذا اے اجتماع خوشنویانِ چمن
مردہ باد اے بر لطف بزمِ رندانِ چمن مرجا صد مرجا اے نفسِ سنجانِ چمن

جذبہ اخلاص کو کس طرح ط لانی کریں

جی میں آتا ہے کہ نوان دل سے مہمانی کریں

یہ تمامی مجمعِ احباب ہے کانِ ادب ایک ہے روحِ ادب تو دوسرا جانِ ادب

یہ جو بیٹھے ہیں یہی ہیں عزت و نشانِ ادب زندگی ان کی ہے استحکامِ ایمانِ ادب

ان کے ہی نمونوں سے ہے اندازِ مستی کا وجود

ان کے ہی دم سے ہے سوز و سازِ مستی کا وجود

ان کی ہر اک نعرش پامیکدہ بردوش ہو ان کی ہر کی ہر کی نظروں میں کوئی ردِ پوش ہو

ان کی صورت سے نمایاں جو نشانیِ شادوش ہو ان کی ہر اک جنبش لبِ نمک پر جوش ہو

زندگی کے واسطے مستی بھرا دل لائے ہیں

یہ ازل ہی سے منے پر جوش پی کر آئے ہیں

یہ نوازش یہ عنایت اور یہ لطف و کرم آئیں اس دیرالِ کدو میں ایسی ایسوں کے قدم

چھاگئی سب پر مسرت مٹ گئے رنج و الم آج اپنا شہر بھی ہے خطبہ بانغِ ارم

اب غمِ فردا ہی باقی ہے فکرِ دوش ہے

زندہ بیٹھے ہیں لبِ تسنیم نوشا نوش ہے

بدیہِ اخلاص ہے دنیا کے الفت کا ممول ہر خلوص الفاظ کو احبابِ فرما میں قبول

بے تکلف مہمانوں سے تکلف ہی فضول خیر مقدم کو نصیبِ واسدِ بکریوں دیتی ہو طول

دوستوں سے عرض کر دو اب غمِ نخوانی رہے

گلشنِ شہر و سخن میں گو ہر افشانی رہے

فهرست

نمبر شمار	نام شاعر	صفحه
۱	آرزو و بایموی	۳۳
۲	آفتاب کبرآبادی	۳۳
۳	ابر - گنوری	۳۴
۴	آثر	۳۸
۵	احسن جلیسری	۳۵
۶	احمد کایلی	۴۰
۷	احقر اعظم کرطبی	۴۰
۸	اشفاق شیخینوری	۴۱
۹	اصغر مین پودی	۴۲
۱۰	انجم - بھرتوری	۴۵ و ۱۵۳
۱۱	احقر شیر کوئی	۴۵
۱۲	آشفته لکهنوی	۴۸ و ۱۴۳
۱۳	برق - کاکو روی	۴۸

نمبر شمار	نام شاعر	صفحہ
۱۴	بہل - فرخ آبادی	۴۹
۱۵	بصیر - فرخ آبادی	۵۱
۱۶	بہخود - ڈبائیوی	۵۲
۱۷	بیدل - برہلوی	۵۳
۱۸	تاج - میرٹھی	۵۴
۱۹	تائب - فرخ آبادی	۵۵
۲۰	جگر - مراد آبادی	۵۶ و ۱۵۴
۲۱	حامد - اٹاوی	۵۷
۲۲	حفیظ - فرخ آبادی	۵۸
۲۳	درد - مین پوری	۶۰
۲۴	رزاق شیخپوری	۶۱
۲۵	رزم - رودلوی	۶۲
۲۶	رضی - بدایونی	۶۴
۲۷	رعنا - اکبر آبادی	۶۷
۲۸	ریاض - کاسگنجوی	۶۸
۲۹	ساعر - نظامی	۶۹
۳۰	سحر - بلگرامی	۷۲
۳۱	سوز - میرٹھی	۷۳

نمبر شمار	نام شاعر	صفحہ
۳۲	سید مین پوری	۷۲
۳۳	سیاب - اکبر آبادی	۷۵ و ۱۵۸
۳۴	شاد - بھوپالی	۷۶
۳۵	شائق - فرخ آبادی	۷۷
۳۶	شبیر - چھتراموی	۷۹
۳۷	شبیر - فتح محمدی	۸۱
۳۸	شمیم - نظامی - بلپسری	۸۲
۳۹	شمیم - گوردی	۸۳
۴۰	شیدا - فرخ آبادی	۸۴
۴۱	شیدا - اکبر آبادی	۸۴
۴۲	طیش - مارہروی	۸۶
۴۳	ظفر - بدایونی	۸۷
۴۴	ظہیر - مین پوری	۸۸
۴۵	عاجز - عطائی پوری	۹۰
۴۶	عاشق - ڈبائیوی	۹۲
۴۷	عاصی - اند آبادی	۹۳
۴۸	عاجز - مین پوری	۹۶
۴۹	عزیز - سہلوی	۹۷

سفر	نام شاعر	شمار
۹۹	غزلیه - سنخپوری	۵۰
۱۰۰	فرحت شمس آبادی	۵۱
۱۰۲	قحط - بیرهنی	۵۲
۱۰۲	قحط - اٹاوی	۵۳
۱۰۳	قابل گلاوٹھی	۵۴
۱۰۴	قاسم - کربلی	۵۵
۱۰۸	قاضی - شکوہ آبادی	۵۶
۱۰۹	قمر - مین پوری	۵۷
۱۱۰	قمر - بنایونی	۵۸
۱۱۲	کشتہ قادری - اکبر آبادی	۵۹
۱۱۴	کلیم	۶۰
۱۱۷	مانی - جانی	۶۱
۱۱۸	مائل - مین پوری	۶۲
۱۲۰	محسن اترتسری	۶۳
۱۲۵	محفوظ	۶۴
۱۲۵	مشتاق - مین پوری	۶۵
۱۲۴	معین - قریح آبادی	۶۶
۱۲۷	میکش - اکبر آبادی	۶۷

نمبر شمار	نام شاعر	صفحه
۶۸	نادر - مین پوری	۱۲۹
۶۹	نار - مین پوری	۱۳۰
۷۰	ناشاو - مین پوری	۱۳۱
۷۱	نازک - شکوه آبادی	۱۳۱
۷۲	نذیر خلیلی - قایم گنجوی	۱۳۳
۷۳	نشتی -	۱۳۳
۷۴	نشاط	۱۳۵
۷۵	نصیر مصطفی مین پوری	۱۳۴
۷۶	نوشاه - مارهروی	۱۳۹
۷۷	نکیلی - جو پوری	۱۳۰ و ۱۵۲
۷۸	وقا - فتح آبادی	۱۳۱
۷۹	وقار - مین پوری	۱۳۲
۸۰	هلال - مین پوری	۱۳۳
طرافستان		
۸۱	اظر - مین پوری	۱۳۴
۸۲	بوم - بابوڑی	۱۳۴
۸۳	چوچ - مین پوری	۱۳۷

نمبر شمار	نام شمار	صفحہ
۸۴	چند اشعار فرخ آبادی	۱۳۸
۸۵	غنیہ - مین پوری	۱۵۱
	باقیات	
۸۷	دور - کانپوری	۱۵۷

شکریہ و شکایت

ماثر اشعار کی تکمیل کیسا تھ یہ میرا خوشگوار فرض ہو کہ میں جناب مولوی عبداللطیف خاں صاحب کشتہ قادری ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول مین پوری اور حفیظ الرحمن خاں پٹی لاڈیئر ٹیچر صاحب فرخ آباد کا پروف ملائے اور اس کام میں دیگر سہولتیں ہم پہنچانے کے لئے شکریہ ادا کروں۔
منشی محمد فیاض علی خاں صاحب کاتب بھی اس خدمت کے لئے مستحق شکریہ ہیں جنہوں نے ڈیڑھ ماہ تک میرے یہاں مقیم رہ کر ماثر اشعار کو بطریق احسن مکمل کیا۔

میں اپنے ان تمام احباب اور ادب دوست حضرات کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے کہ اس کام میں کسی نہ کسی طرح میری امداد فرمائی۔ اسی کیساتھ مجھے اپنے ان تغافل شعرا احباب سے شکایت بھی جنہوں نے باوجود متواتر یاد دہانیوں کے غزلیات یا حالات اس وقت تک ارسال نہ فرمائے اور چونکہ اب دوسرے مشاعرہ کا زمانہ بالکل قریب ہے اس لئے زیادہ انتظار نامکن تھا۔ اس سلسلہ میں محرمی حضرت آسن مارہروی اور بابو بہاری چرن صاحب مذاوق سے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔



نوٹ

بعض حضرات کی غزلیات موجود تھیں اور حالات خیالستان
 کی تکمیل کے بعد موصول ہوئے جو بسلسلہ باقیات
 درج کروئے گئے ہیں۔

۱۔ آرزو۔ ڈباہوی (افتتاح الرحمن۔ احسنی)

دینے والے نے دیار و زائل وہ دل مجھے
 بھیجتا ہے یہ پیغام دلبری قاتل مجھے
 زندگی کا لطف کچھ ہوتا نہیں مل، مجھے
 تحبہ کھل جائے حقیقت سب نیا رشتہ کی
 کچھ خبر بھی ہے کہ میرے دل پہ کب لکڑی
 دیکھئے قسمت کے چکر سے لے کب تک نجات
 پھر سر محفل گرائیں بجلیوں پر بجلیاں
 ہو گیا روئے منور پر فدا پروانہ وار
 پھر تھیلی پر لئے پھر تاہوں اپنی جانِ نار
 میں اور اپنی زندگی برباد کر دیتا غلام
 پر وہ داری بھی ہے اور لطف میخواری بھی ہو
 بو خیالِ یار میں خلوت نشینی تاکہ
 دوڑتا پھر تہ ہے جنوں دشت میں کتا ہوا
 آن کے آتے ہی شکایت مٹ گئی سب آرزو

زندگی جس کی بدولت ہو گئی مشکل مجھے
 چاہئے ظلم و ستم کے واسطے اک ال بخت
 اپنے دامن میں چھپائے خنجر قاتل مجھے
 اپنی بزم ناز میں کر لے اگر شامل مجھے
 دیکھئے دل لکھیوں سے سر محفل مجھے
 سینکڑوں منزل نظر آتا نہیں ساحل مجھے
 پھر ترے تیر نظر لے کر دیا بسمل مجھے
 حسن نے اپنی طرف خود کر لیا مال مجھے
 پھر نظر آنے لگا خنجر بہ اک قاتل مجھے
 تیرا انداز تغافل کر گیا بدول مجھے
 ہاں بلائے آنکھوں آنکھوں میں سر محفل مجھے
 لے نگاہ شوق اب لے پہل سر محفل مجھے
 ہر گونے میں نظر آتا ہے اک محفل مجھے
 ہو گئی آسان وہ منزل جو تھی مشکل مجھے

۲۔ آفتاب۔ اکیر آبادی

اسید ولایت حسین نام، آفتاب تخلص، سید محمد علی حسین کے صاحبزادے، متوفی

اکبر آباد ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب سادات کچھوچہ سے ملتا ہے جو ایک بادی و رضوی ہیں۔ چونکہ اس فائدان نے حضرت خدوم سید سلطان اشرف جہانگیر جہانیاں جہاں گشت سے سلسلہ بیعت خطاب ”اشرفی“ حاصل کیا تھا۔ لہذا آپ کے آبا و اجداد ”اشرفی و رضوی“ بطور لقب اپنے اسماء کے ساتھ شامل کرتے رہے۔ آپ خود کو صرف ”رضوی“ لکھتے ہیں۔

آفتاب صاحب سلمہ یا شہدہ میں بمقام اگرہ پیدا ہوئے۔ وہیں دس سال کی عمر تک ابتدائی تعلیم رسمہ عربی و فارسی کی تحصیل کی پھر اپنے والد متا کے ساتھ مرحوم کے مرکز تجارت ”جہانسی“ کو چلے گئے اور وہاں مدرسہ میں نویں درجہ تک انگریزی اور خارجاً فارسی کی تعلیم پائی ساتھ ہی اصول و فن تجارت سے واقفیت ہم پہونچاتے رہے۔ چونکہ آپ کے والد ماجد جہانسی کے عالی پایہ تاجر کتب تھے۔ آپ نے بھی کتب فروشی ہی کو ذریعہ معاش بنایا اور اسی پر آج تک قانع جہانسی میں اپنے پدر بزرگوار کے جانشین ہیں۔ ایک با وضع، خوش اخلاق صابرو شاکر، خوش باش، مرتب و مرتبان اور نشو و نماش سے گریزاں بزرگ ہیں۔ سرزمین سدا گلخ جہانسی میں جن حضرات کے دم سے شمع شعر و سخن با دھرم حداثہ سے محفوظ ہے ان میں نمایاں رتبہ رکھتے ہیں۔

آپ نے مذاق شعر و سخن وراثتاً اپنے آبا و اجداد سے ترکہ میں پایا ہے۔ تلمیذ الرحمن ہیں کسی کے سامنے زانوئے شاگردی نہ نہیں کیا۔ انصاف پسندی و زور طبع اور کتب بینی نے استاد کی رتبہ تک پہونچایا ہے۔ رنگ جدید و قدیم پر تصویق اور انصاف سخن پر قادر ہیں۔ مگر غزل و قصیدے سے عام طور پر دلچسپی قائم

رہ گئے ہیں۔ تصانیف بھی آپ کے محرف ابی بیت انہما کی بیخ و بن تباہ و تاراج ہیں۔
 آپ کی ادبیت و سلیم الذاتی کا شاہد صادق رسالہ فانوس "جہانسی ہے۔
 جس کی ازابتدار تانا تھا آپ ادا کرتے فرماتے ہیں۔ آپ کی ہمہ گیر قابلیت نے اس
 رسالہ کو بھی اپنے رنگ و بھر میں اپنے ذیل پسندی میں رنگتے ہوئے اُسے اس کے
 ہم عصر رسائل کی صف میں ایک نیا باب بیکر ممتاز رکھنے کے دوش بدوش ہندو
 مسلم اتحاد و رواداری کا مینہ ایک دل فریب کلم بنا کر رکھا۔

آپ کی تاریخ ادب اردو کی وسعت و مہارت کا اندازہ "فانوس" کے ابتدائی
 مقالہ اقتصادیات سے ہوتا ہے جس میں آپ نے تشوہ و تباہی و ارتقاء کے اردو پر
 بے مثل تبصرہ کیا ہے۔ (دیکھو فانوس کا نمبر اولیں باب جنوری ۱۹۲۷ء)

منزل

مضطرب موجوں نے پھینک کر ساحلِ مجھ
 چین لینے کے کوئی دم اضطرابِ دل مجھ
 جب کوئی غنیمت چمکتا ہے کسی گلزار میں
 جمع ہو لیتے تو دوا سبب شرحِ آرزو
 یہ کہاں بزمِ غرور و ناز یہ فردوسِ ہی
 مضطرب موجیں بہا کر لے چلیں میتِ مری
 میری خاکِ قبر تہیِ مجنوں کی میر کا رواں
 بیٹھتے اٹھتے کیا طے جاؤ ملکِ فدا
 اب کدھر لجاؤ دیکھوں جہِ منزل مجھے
 کھینچ لائی ہے بھد میں راحتِ منزل مجھے
 صاف آ جاتی ہے آوازِ شکستِ دل مجھے
 پھر کہو برہم زین ہنر گامِ محفل مجھے
 کس طرف لے آئی ظالم سعیِ لاجل مجھے
 کیا قیامت تک کو چھوڑا تو نے اہلِ منزل مجھے
 جانتا ہے اک جہاں آوارہ منزل مجھے
 ہر نفس تھا باعثِ نزو کی منزل مجھے

نا اُمید ہی میں کہاں آپ کہاں بیٹابیاں ہے قضا سا کس کہ حاصل ہو سکونِ دل مجھے
 نزع کا عالم ہے مٹتی ہے امیدِ زندگی کر رہی ہے موت تیری یاد سے غافل مجھے
 کار فرما جذبہ جوش جنوں ہے آفتاب کچھ بنا دیگی یہ میری سعی لا حاصل مجھے

۳۔ آبہ۔ گنوری

جو بخش نام اپنی بخش کے صاحبزادے، متوطن گنور دیداہوں، ہیں۔ آپ کے
 جد، محمد شیخ امام بخش بہاؤ صلیع بلند شہر کی ممتاز ہستیوں میں سے تھے۔ ان
 کی شانہ کی گنور میں ہوئی تھی۔ خاندانی نزاعات کے باعث آپ کے والد ماجد نے
 گنور میں طرح اقامت و رہائش ڈال دی وہیں ۱۸۹۷ء کو ابراہیم صاحب پیدا ہوئے
 آپ نے ابتدائی تعلیم کسی مولوی صاحب سے خانگی طور پر پائی اور اس کے
 بعد، ڈل اسکول میں بھرتی کرائیئے گئے۔ جہاں ۱۹۱۶ء میں آپ نے اردو ڈل
 پاس کیا۔ امتحان سے فراغ پانے کے بعد صنعت آموزی کا شوق آپ کو کانپور
 لے گیا وہاں آپ نے جو تہ کام سیکھا۔ اور وطن کو واپس آکر جو تہ کا کارخانہ
 جاری کیا۔ جو ایک سال کے بعد فیل ہو گیا۔ بالآخر ڈسٹرکٹ بورڈ کے مدرسہ کی
 مدرسہ اختیار کر لی۔ اور پیشہ کے ماحول پر نظر ڈالتے ہوئے ۱۹۲۲ء میں ٹیٹنگ
 ۱۹۲۲ء میں امتحان ایڈوانسڈ ان اردو ۲۷ء میں منشی اور ۲۸ء میں کامل
 پاس کیا۔ تا حال مدرسہ مذکورہ بالا میں باحسن وجوہ فرائض مدرسہ کی انجام دے
 رہے ہیں۔

مادہ شاعری آپ کی فطرت میں موجود تھا۔ ۸۔ ۹ سال کی عمر سے نعتِ شریف

کے شوق نے طبیعت میں موزونی پیدا کر دی تھی اور اسی عمر میں
 گا ہے ماہیہ فقیدہ اشعار جو بستی و بندش قافیہ سے آزاد مگر موزونیت
 کے پابند ہوتے تھے۔ تصنیف کر لیا کرتے تھے۔ اردو ڈل کی تعلیم نے تھوڑا
 بہت واقفہ فن بھی کر دیا تھا۔ مگر ابھی تک باقاعدہ شاعر نہ تھے۔ یہ کمی قیام
 کانپور کے دوران میں پوری ہوئی۔ تقریب یہ کہ جس کارخانہ میں موصوف کام
 سیکھتے تھے اس کے منیجر حضرت سخا شاہ جہاں پوری تھے۔ آپ ان کیساتھ
 اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ ایک روز کوئی صاحب مدوح سے
 اصلاح لینے کے لئے آئے اور سوال پر ذرا شہر نہ بنا سکے۔ آپ نے اجازت
 لے کر بتا دیا اور سخا صاحب کی مہربانہ نظریں حاصل کر کے رقتہ رقتی کرتا
 شروع کر دی۔ اس معاملہ پر کہ اسی کارخانہ میں کام سیکھیں اور کانپور ہی میں قیام پذیر
 رہیں شعرا کی سنت ویرینہ پوری ہوئی۔ یعنی استاد بنا کر دیں اختلاط لئے شروع
 ہو گیا جس کا انجام یہ ہوا کہ اب جو آپ کے بار اسرار کے بھی سخا صاحب نے اصلاح
 دینی بند کر دی۔ آخر کار آپ نے حضرت آسن مہر وی کی جانب رجوع کیا اور
 موصوف کے سلسلہ تلامذہ میں منسلک ہو گئے۔

غزل

دیکھ کر آوارہ گردی میں پریشان دل مجھے
 اپنے پاس آنے نہیں دیتی مری سائل۔ بے
 پھر کرے مجبور شاید تا وک و فتل مجھے
 احتیاطاً اور قسام ازل اک دل ہے
 دید یا ہمت نے ساحل کے قریب اگر جواب
 یاس سے ساحل کو میں تکٹارہ ساحل مجھے

قاسم نے لکھو دیا لا کر سر منزل مجھے
 یہ طاعت ہے تو اب کوئی طاقاں مجھے
 اب ترے پیر کاں یہ ہوتا یا کمان مجھے
 اب تو کروٹ بٹا دینا بھی ہوا مشکل مجھے
 لگی زیر قدم آخر مری منزل مجھے
 تک رہا ہے کیوں نگاہ یا سرا قاتل مجھے
 لگ گیا تھا ایک سرکار ازل سودل مجھے
 اپنا دیوانہ تو کہتے ہو سر محفل مجھے
 جذب کرتی ہے نگاہوں میں تری محفل مجھے
 آج تک ہر چیز آتی ہے نظر قاتل مجھے
 یاس و حرم کا بنا کر دیدیا اک دل مجھے

ہوشِ زمست ہو گئے بیونجا کران کی زم میں
 مدتوں شوقِ شہادت کو یہ دھوکے کیے
 کیا یہی ہے آخری منزل فنا فی العشق کی
 ہائے وہ دن جب لئے پھرتا تھا سرِ آسماں
 پالیا دل میں انھیں دشت و بیاباں چھانکر
 خیر ہو شوقِ شہادت کی الہی خیر ہو
 اپنی بربادی کا باعث کیا بتاؤں ہمیشہ
 رکھ سکوں گے تم مری دیوانگی کی لاج بھی
 ڈالنی ہے آنکھ میں بنیاد اک فردوس کی
 تیغ لے کر آپ نکلے تھے یہ کس انداز سے
 آبرو قسام ازل نے کیا خبر کیا سوچ کر

۴۔ اثر

زندگی تو زندگی ہے موت بھی مشکل مجھے
 یاس کی نظروں سے پھر دیکھا کیا قاتل مجھے
 جان دینا تو نہیں ہے ہجر میں مشکل مجھے
 تو نے شرمندہ کیا ہے آرزوئے دل مجھے
 تک رہا ہوں دور سے ساحل کوں ساحل مجھے
 ڈوبنے دیتی نہیں ہے حسرت ساحل مجھے

عشق میں حاصل ہوا تو یہ ہوا حاصل مجھے
 اک نگاہ ناز سے جب کر چکا بسمل مجھے
 آپ کا ملنا اگر دشوار ہے دشوار ہو
 میں تو کہتا ہی نہ تھا ان سے تمنائے دلی
 اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کسی کی سبکی
 ناخدا ہے اور نہ کشتی کا پتہ ہے کچھ مگر

تار ٹوٹا ہے کسی کے کیا یہ سازِ حسن کا
اللہ اللہ قتل کرنے میں بھی کیا انداز ہے
میری نظروں سے بھلا جاؤ گے بچکر تم کہاں
انقلاب اللہ اکبر اور ایسا انقلاب
جس جگہ سے کل اٹھے تھے زخمِ دل کھا کر اثر
یا صد آتی ہے کانوں میں شکستِ دل مجھے
دیکھتے ہیں کنکھیوں سے مار کر قاتل مجھے
جس میں تم مسکن گزریں ہو وہ ملا ہوا دل مجھے
دل کو میں روٹا تھا لیکن رو رہا ہوں دل مجھے
پھر وہیں کھینچے لئے جاتا ہے ظالم دل مجھے

۵۔ احسن۔ جلیسری

محمد احسن نام۔ ساداتِ جلیسہ دایہ سے ہیں۔ پانی پت میں علوم و فنون عربیہ
کی تعلیم پاکر مولوی راجب اللہ مرحوم و مغفور سے سندِ فیضیت حاصل کی ہے۔
ایٹھ میں طبابت کرتے ہیں۔ اور اپنے فن کے ماہرین میں سے ہیں۔

غزل

تیرے احسان و کرم نے کر دیا بسمل مجھے
تو شبِ وعدہ نہ آتا تھا نہ آیا اے صنم
تم نے ہاتھوں میں لٹکایا خوبِ دلِ مثلِ حنا
رازِ دشمن سے کیا آگاہ کیوں مجھ کو صنم
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتے ہیں یہ جرم و گناہ
تو رہا غیروں کے پہلو میں شبِ وعدہ مگر
اس کی رحمت کے بھر دے سر پر کئے جرم و گناہ
ہر اداسے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے
کیوں شبِ فرقت نہ ہو دشوار قاتل مجھے
پھر لکھا حیلہ نہ آنے کا سرِ نخل مجھے
کیا نہیں تم جانتے نا اے مجھے عاقل مجھے
تیری بخشش نے کیا ہر فعل سے غافل مجھے
تیری آنکھوں سے ہوا افتخارِ ازل مجھے
دور نہ جانا پیشِ داور تھا بہت مشکل مجھے

بہرِ غرض جس کے یہ استمعین ہیں وہ اگر بسے
ہے خدا کا شکر ہر دم۔ یوں یا تھا دل مجھے

۶۔ احمدی۔ کاپلوی

خود میں گم ہو کر نظر آنے لگی منزل مجھے
گلشنِ وحدت سے تھا میں بوئے گل لیکر اڑا
گر نہ ہو کوئی اشارہ چھیر کچھ جب تک نہ ہو
ہے مجھے صحرانوردی میں خود اپنی جستجو
ہو رہا ہے قیے قیے میں ظہورِ آفتاب
تیرے پے در پے کرم نے اک ستم بپا کیا
بکھینچے بکھینچے کام اپنا کر گئی تیغِ ادا
موجِ جذبِ جنسیت دکھلا گئی اپنا اثر
میں تمنائیں مشیت کے حوالہ کر چکا
یا دکا۔ دردِ الفت و اندازِ سوزِ عشق
بارِ ہستی کب اٹھا اسکا تھا مجھ سانا توں
ہیں نہاں اجڑی ہوئی ہستی میں کچھ آباد
نام ان کا کس زباں سے لوں جنوں احمدا
غرق ہونا تھا کہ دکھلائی دیا۔ اعلیٰ مجھے
غیرت گل بے کیا مجھوس آب و گل مجھے
کیوں گریباں کھینچ کر لجاے جذبِ دل مجھے
گردِ ہستی میں نظر آتی ہے اک محل مجھے
پردہ چشم تو ہم نے کیا عنافِ مجھے
وہ عنایت کی نگاہیں کر گئیں بسل مجھے
یعنی بسل کر گیا خمیازہ و متاعِ مجھے
ٹوٹ کر دیا نظر آیا حبابِ دل مجھے
چھڑتی ہے کس لئے اب آرزوئے دل مجھے
نازِ بردارِ تمنا دیدیا اک دل مجھے
اٹھ گیا و نیلے سے آساں ہو گئی مشکل مجھے
کنجِ خلوت میں نظر آتی ہے اک محفل مجھے
نام لیواؤں میں اپنے کر لیا شامل مجھے

۷۔ احقر۔ اعظم گڑھی

دیکھتے کس وقت آیا ہے وہ سبکس دل مجھے
جب حے احباب کر بیٹھے سپردِ گل مجھے

جب دو کھانچ میں گنتار کے قابل مجھے
 آفریں اے رعبِ حسن یار کیا کنت اترا
 میان سے تلوار فوراً کھینچ لی اس شیخ نے
 کس طرح طے ہو گئی پھر راہِ عدم کی منزلیں
 وصل کی شبہ تھی کہ دھوکا تھا بتاؤں کیا تجھے
 حسرتیں شوقِ شہادت کی نکل جائے بھی شے
 میں تم جنوں تھا مری یہاں بھی مجنوں ہو گئی
 کیا خبر تھی دوست، بچا میں گئے دشمن بلوگر
 دل دیا ہر جفا جب دیے رائے نے انیس
 آپ ہی سے کہہ رہا ہوں جان کچھ سنتے ہی ہو
 ٹکڑے کر ڈالے قمر کے یار نے یہ کہتے ہی
 آج میخانے میں کل کعبہ میں برسوں دیر میں

دیکھنے والا ہوا خوش دیکھ کر غافل مجھے
 آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی ہو گیا مشکل مجھے
 مجھ سے یہ کہہ کر تو نے کیوں کہا قاتل مجھے
 جبکہ مر مر کر ملی ہے پہلی ہی منزل مجھے
 اک نظر آیا ترے رخسار کا ساقِ تل مجھے
 کچھ تڑپنے دے تہ غنجر مرے قاتل مجھے
 مجھ میں اگر چھپ گئی ہے جان کر ٹھل مجھے
 اپنے ہاتھوں سے وہی داہیں گے زیر گل مجھے
 صبر کرے کے لئے پتھر کی دی اک سل مجھے
 دل لگی اب ہو چکی دیر بکے میرا دل مجھے
 کسوں بُری آنکھوں سے نکلتا تھا مکہ کامل مجھے
 ہر کہیں اُتھقل لئے پھر تا ہے میرا دل مجھے

۴۔ اخلاق - اخلاق حسین شیخ پور ضلع فرخ آباد

عشق کے غم نے نہیں رکھا کسی قابل مجھے
 کرنا جب قتل و قتل میں راتِ سائل مجھے
 قتل ہی کرے سہنگر یا کرے بسمل مجھے
 کس کی محفل چھوٹے ہی بڑھ گئیں بیزاریاں
 ہمنوا گم گشتہ راہِ وصال ہوں کچھ نہ پوچھ

دردِ پہلو سے زیادہ ہو گیا ہے دل - مجھے
 لطف اپنی زندگی کا بھگیا حاصل مجھے
 ہر طرح رکھنا ہے پاس خاطر قاتل مجھے
 جانبِ صحرائے جانا ہے میرا دل مجھے
 دور سے آنکھیں دکھائی ہو مری منزل مجھے

گردشِ دردِ فلک کی کچھ شکایت ہو ضرور
خوش ہوا ہوں دیکھ کر نورِ وفا کا آبلہ
مار ہی ڈالنا فریبِ وعدہ دیدار نے
تشہِ شوقِ شہادت ہوں بڑا ہی خوش
داستانِ عشقِ مضمحل و لفظوں میں ہی
وہ تمنائیں گئی وہ آرزوئیں مٹ گئیں
ہر در و دیوار سے آئی صدائے مرجبا
ہوں مریضِ دردِ الفت کیوں ہو مجنونِ وفا
میری کشتی کو خدا پر چھوڑ دے لے نا خدا
دل کی دیرانی سے دنیا ہو گئی دیریں تمام
میں بھی امادہ ہوں اب اس سمت جانیکے لگو

روزِ محشر کچھ نہیں ہے شکوہِ قاتل مجھے
بعدِ مدت کے نظر آیا جو میرا دل مجھے
وقتِ آخر توڑنا دم ہو گیا مشکل مجھے
دیکھتا ہوں جس کو آتا ہے نظر قاتل مجھے
جس کو میں آساں سمجھتا تھا ہوا مشکل مجھے
دل اگر اب مل بھی جائیگا تو کیا حاصل مجھے
جوشِ وحشت نے کیا زندانیں جفاں مجھے
ہے فقط کافی ہوائے دامن قاتل مجھے
میں ہماں ڈوبا دیں ہو جائیگا سائل مجھے
اب تو سونی ہی نظر آتی ہے ہر محفل مجھے
جسٹریجکے ای اخلاق میرا دل مجھے

۹۔ اصغر۔ مین پوری

شیخ اصغر حسین نام افداحسین کے صاحبزادے آپ اٹالیان لکھنؤ سے
ہیں۔ آپ کے دادا صاحب نے ترک وطن کر کے مین پوری میں طرح اقامت
ڈالی۔ اور پھر یہ خاندان میں کاہور ہا۔

اصغر صاحب ۱۸۹۱ء میں مین پوری میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی ابتدائی
تعلیم گھر پر پائی۔ پھر تحصیل ٹڈل اسکول میں تعلیم پاتے رہے اور لے۔ پی مشن
اسکول سے انٹرنش پاس کر کے امتحانِ مختاری میں کامیابی حاصل کی۔ اور

آبائی پیشہ وکالت کو اختیار کر لیا۔ ایک بچہ خلیق اور متواضع بزرگ ہیں۔
 آپ کے دسترخوان کی وسعت میں پوری میں ضرب المثل ہے۔ آپ کی قلم
 قانونی کے باعث حکومت نے آپ کو انیری اسسٹنٹ کلکٹر کا منصب
 عطا کیا ہے۔ اور یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ اس دیدہ ریزی سے
 واد عدل و انصاف دیتے ہیں کہ بہت کم لوگوں کو آپ کے اجلاس کے خلاف
 ضرور واقعہ پیش آتی ہے۔ اور جوابیل کرتا ہے زیادہ تر کام ہی رہتا ہے
 شاعری کا شوق فطری ہے۔ بچپن سے شاعری کرتے ہیں۔ ابتدا کسی ہی
 اصالح نہیں لی۔ اور وسط زمانہ میں فدا صاحب کو چند غزلیں دکھائی ہیں۔ اور
 دو ایک غزلیں حضرت اسن ماہروی نے دیکھی ہیں۔

آپ کے خیال میں حقیقت نگاری، تاثیر اور سادگی زبان شعر کے لئے
 شے ضروری ہے اور اسی کے آپ پابند بھی ہیں۔ نام و نمود سے گھبراتے
 ہیں۔ پھر بھی دنیا سے شاعری میں ایک مشہور و معروف ہستی ہیں۔ آپ کا یہ
 شعر غالباً ہر صاحب مذاق کی زبان پر جاری ہے۔

یہ یارب دہلے وصل نہ ہرگز قبول ہو

پھر دل میں کیا رہے گا جو حسرت بکھل گئی

میں پوری میں مجاہد شعر و سخن کی روح رواں ہیں۔ اگر بہ نظر حقیقت
 دیکھا جائے تو شعر و سخن کی حیات و بقا کے لئے ان کی مساعی اس قدر زریں
 ہیں کہ دنیا سے شاعری انہیں کبھی محو و فراموش نہیں کر سکتی

اپنی خوش مذاقی اور دریا دلی کے باعث مرجع شعرائے وادبا ہیں۔ آپ کا

در اندکدہ زیادہ تر شعرا کی اقامت گاہ رہتا ہے جس کے باعث وہ قریب قریب
ہر وقت ہی فضائے شعر و شاعری میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

(نوشہ کشنہ قادری)

غزل

کر گئی روزا زل جو مضطرب و بمل مجھے
تیری ہی تصویر ہے لیکن لباسِ عشق میں
گو ہر مقصود دیکھ چو یا دیکھ تھہر جا لگے
کہہ رہی ہے پریش بہناں زبانِ راز میں
دیکھ وہ حورانِ جنت میرے سینے کو بڑھیں
اختلاجِ قلبِ مخفی روحِ نذرِ بخودی
عشق کی رنگینیاں ہیں حسن کی تصویر میں
جب مٹی تکلیفِ ناکامی خدا یا دا گیا
دینے والے نے دیا لیکن دیا تو یوں دیا
وصل میں یاد آ رہی میں ہجر کی بیتابیاں
اک وہی عرضِ تمنا لیکن اس کا کیا علاج
میرا وہ خونِ پروردہ آغوشِ طوفانِ حیات

دیکھ لے پھر اس نگاہِ ناز سے قاتل مجھے
دیکھ تو پردہ اٹھا کر لیے محفل مجھے
تو ڈبو دے آبِ عزت ہی میں ساحل مجھے
اپنی محفل میں سمجھتے ہیں وہ جس قابل مجھے
اب تو دامن میں چھپائے اور ک قابل مجھے
وجہ صد در ماندگی ہے قربِ منزل مجھے
لے بیتِ خود میں سمجھنا تو نہ لا حاصل مجھے
سعی حاصل ہوگی ہر سعی لا حاصل مجھے
حسنِ انسانی آئینیں اربابِ لا حاصل مجھے
پہلے لا حاصل کا غم تھا اب غم حاصل مجھے
سب کو ان کے سامنے آسان ہو مشکل مجھے
دامنِ موجِ فنا ہے دامنِ ساحل مجھے

کامِ اصغر پڑ گیا اب عشقِ لا محدود سے

اب بہت دشوار ہے اندازہ منزل مجھے

۱۔ انجم بھرتوری

نوٹ: حالات صفحہ ۱۵۴ بہ سلسلہ "باقیات" ملاحظہ ہوں۔

روز کی بیتابیوں نے کر دیا بسمل مجھے
مار کر زندہ کیا۔ بھر کر دیا بسمل مجھے
جس سچو ہے اپنی اپنی۔ اپنا اپنا انتخاب
مثل اون کے میں بھی کیا عہد وفا کو توڑ دوں
چل دیا اٹک کر او دھری اشنیاں دید میں
ضبط کتنا ہے کہ لے صبر سکون سے کام کچھ
اس کی رنج و اطم کی آہ کی۔ فریاد کی
پھر مقدر میں لکھی ہیں زلتیں رسوائیاں
پہلے تو بے سوچے سمجھے خاتمہ ہی کر دیا
عشق کی راہیں کٹھن ہیں عشق کے جاؤں میں سخت
زاہد و میری نمازِ آخری اب دیکھنا
سچ ہے دنیا ہی میں ملتی ہے مکافاتِ عمل
یہ تو انجھ تجربہ میں نے کیا ہے بار بار

چین لینے ہی نہیں دیتا یہ دردِ دل مجھے
میری قسمت سے ملا مجھ نما قاتل مجھے
تیس محل ڈھونڈتا تھا اور میرا دل مجھے
اُن کو ہے آساں سی آساں اور بہت مشکل مجھے
جس طرف جس نے بتا دی یا رکی منزل مجھے
شوق کتنا ہے کہ جانے دو سکو قاتل مجھے
ہو چکیں تھیں آیتیں بہر وفا نازل مجھے
لے چلی پھر سوئے جاناں آرزوئے دل مجھے
ڈھونڈتا پھر تا ہے اب دنیا میں دردِ دل مجھے
کیسے دھوکے دے رہا ہے رہبرِ منزل مجھے
مل گیا بہرِ مصلیٰ دامنِ ماسِ دل مجھے
میں نے دل کو کھو دیا۔ کھو کر رہی گا دل مجھے
یا علیؑ جب کہ دیا آساں ہوئی مشکل مجھے

۱۱۔ احقر شیر کوٹی

راج بہاری لال نام، ماتھر کالیستہ دیوان بنواری داس ماتھر کے بیٹے نصیر کوٹی
ضلع بجنور کے متوطن ہیں۔ آپ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتداء کچھ عرصہ تک

رسم و رواج سابقہ کے مطابق فارسی وغیرہ کی تحصیل مکاتب میں کی۔ اس کے بعد تحصیل اسکول شیرکوٹھ میں داخل ہو کر سولہ سالہ میں اردو ٹیڈ پاس کیا۔ اس کے بعد دہلی میں پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۳۰ء میں انگریزی ٹیڈ پاس کر کے ۱۹۰۶ء ملازمت عدالت دیوانی اختیار کر لی۔ اور اب منصف منصفی شکوہ آباد ضلع میں پوری ہیں۔ چند روز حضرت فدا گلا وطنی سے اصلاح لی۔ اب ایک عرصہ سے حضرت حسن کے زمرہ تلامذہ میں شامل ہیں۔

غزل

جو نہ پیش آئی ہو پیش آجائے وہ مشکل مجھے
 لو نظر آئے گئے وہ جلوہ ہائے دل۔ مجھے
 واہ ری غفلت نہیں رکھا کسی قابل مجھے
 دل مرادریا کی موجوں میں ابھی تک عرق ہو
 تھا سکونِ مستقل دیباچہ صد انقلاب
 نشہ ہستی میں پھر بھی میری آنکھیں بند ہیں
 کوشش جاوہر نوع آدمی کا فرض ہی
 دوست سمجھے جس کو انسان درحقیقت دوست ہے
 میری آنکھوں میں ترے جلو کی ایسے جذب ہیں
 کو نہ مٹی ہیں لہن سائے جہاں میں بکلیاں
 تیرے کوچہ ابھی قسمت میں ہیں رسوائیاں
 چل پڑا تو کیا خیالِ دوری منزل مجھے
 اب حقیقتی معنوں میں لگئی منزل مجھے
 دین کا کیا ذکر دنیا بھی نہیں حاصل مجھے
 آشنا گو کھینچ لائے جانبِ ساحل مجھے
 دھونڈتے پھرتے ہیں میرے ذرہ کا دل مجھے
 گو نظر آئے لگا ہے اپنا مستقبل مجھے
 یہ رہی قسمت کہ پھر کچھ بھی نہ ہو حاصل مجھے
 اب تو قاتل بھی نظر آتا نہیں قاتل مجھے
 دیکھتی ہے تیرے دھوکے میں تری محض مجھے
 آشیانِ فارخس کیا ہو گیا حاصل مجھے
 کھینچ لائی ہے میں پھر آرزوئے دل مجھے

میں نے احقر عیش دنیا کی کبھی حسرت نہ کی آپ نے پایا نہ ہو گا موت سے قافل مجھے

۱۲ - آشفۃ لکھنوی

سید علی نام، آشفۃ تخلص، مولانا سید حسن مثنی صاحب مرحوم کے صاحبزادے (دیکھو صفحہ ۱۲۲)

عزل

کر دیا تھا میری مظلومی نے اس قابل مجھے
کیا ازل ہی سے نہ سمجھا رحم کے قابل مجھے
بے نیازی حسن کی کھودی نیاز عشق نے
آگیا ہوں سرفروشانہ سپہ راہ فنا
تھی شکست رنگ ہستی کی صدا باز گشت
دیں نسیم ساز غم نے کس خیزے کی لوریاں
دل سراپا یاس ہے اور توجہ اندر حجاب
ہو چکا ہوں عشق کی خود وادیوں پر مطمئن
اک تمنا ہے تلافی ستم لازم نہیں
موت سے حل ہو تو ہوا اس راز ہستی کا طلسم
دیکھے اب کونسا نقش عمل آتا ہے اس

چپکے چپکے مدتوں رو دیا کیا تال مجھے
میرے مالک دیدیا اک حشر سا مال مجھے
خیر کچھ تول گیا اس زیست کا حاصل مجھے
دیر میں آواز دے یا جلد اب قاتل مجھے
کر گیا خاموش جس بچکی پہ میرا دل مجھے
کر گئے مصروف خواب یاس آہ دل مجھے
کچھ نظر آتا نہیں جز سعی لا حاصل مجھے
آپ لینے آئیگا منجھ ہمارے تک ساحل مجھے
ہو سکے تو جوڑ کر دید بکیر گا دل مجھے
کھودیا ظالم نے یہو بچا کر سبز منزل مجھے
ضبط مشکل موت مشکل زندگی مشکل مجھے

ہاں میں کا فر تھا نگاہ ناز پرایاں نہ تھا
کر دیا آشفۃ دل کی چوٹ نے قاتل مجھے

۱۳۔ برق۔ کاکوروی

سید محمد حکیم الدین تام، مولوی محمد نعیم الدین کے صاحبزادے متوطن کاکوروی (کھنڑی) اور سادات علویہ سے ہیں۔ اور آپ کا سلسلہ نسب ۳۲-۳۳-۳۴ واسطوں سے بتوسط حضرت محمد بن الحنفیہؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔

برق صاحب ۳ فروری ۱۲۸۶ء میں بروز سر شنبہ بمقام کاکوروی پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم عربی و فارسی درسگاہ کاکوروی میں حاصل کی ۱۲۹۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے انٹرنس پاس کیا۔ اور اپنے خالو حکیم محبت علی صاحب سے علم طب کے مراحل ابتدائی اور حکیم واصل خاں منادہلوی سے اس فن کے مدارج انتہائی طے کئے۔ ۱۲۹۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فاضل کی ڈگری حاصل کی۔

فن شعر میں آپ کو مولانا محسن کاکوروی اور حضرت امیر مینائی لکھنوی سے فخر تلمذ حاصل ہے۔ فرخ آباد میں حرر رجسٹری ہیں۔

غزل

منتخب لاکھوں سے کر کے دیدیا ہوں دل مجھے	بیقرار و مضطرب خردن و مستجمل مجھے
یہ کھٹکتا پیشتر سے ہی تھا مستقبل مجھے	رو شکوہ وہ کریں گے کہہ کے مستبطل مجھے
میرا دل دینا تھا ان کو اور ان کا دل مجھے	ان کو قاتل تھا بنانا اور جو بسمل مجھے
پھیرے اچھا برا جیسا ہے میرا دل مجھے	کام کا تیرے نہیں تو پھیرے قاتل مجھے
زندہ دار نام نامی مل گیا ہے دل مجھے	یادگار مستی کلم گشتگانِ دہر ہوں

ہوں تو وہ گناہ جس پر خود ہے گناہی کو تاز
مجھ کو اور ساحل کو ہالیوسیوں کا سامنا
کثرتِ آلام نے سارے بھلا دی صرف رنج
جو شوقِ شہادتی کا ہے ہر لپٹا ہوا
جس پر اسیر ہے پاس ہر اس مہر و اس غارت
تھی گراں ہستی مری میری بقا کی ذات پر
بہج تو میں نے دیا ہے گمراہی کو حالِ زار
میرے حقیقت کی مطلقاً آپ نے پروا نہ کی
کچھ نہیں کشتش سے ہوتا کرتی ہے تقدیر سب
آپ کھل جائیگا دنیا کو جو اس کا حشر ہے
ہر طرف اسے میں پوری آگ کچھ آسان تھا

نام رکھنے کے لئے کہتے ہیں سب سہل مجھے
میں لب ساحل کو لکھتا ہوں لب ساحل مجھے
یا کہ کہہ دوں گا کہ کیا ہے یہ لب ساحل
یہ لب ساحل ہے جو کہہ دے گا لب ساحل
نورانی دکھاتا ہے تو لکھ دے گا لب ساحل
یہ لب ساحل ہے لب ساحل لب ساحل لب ساحل
دیکھوں کیا دیتا ہے لب ساحل لب ساحل
آپ نے سمجھا تھا تو کیا لب ساحل لب ساحل
یہ لب ساحل ہے لب ساحل لب ساحل لب ساحل
بھولے بھٹکے لب ساحل لب ساحل لب ساحل
کھینچ کر کیا جانے کیسے لب ساحل لب ساحل

۱۳۔ سہل فرخ آبادی

عبدالعلی خاں نام، مولوی یوسف علی خاں کے خلف الرشید متوطن فرخ آباد
اور خوشگلی پٹھان ہیں۔ آپ کے آباد جداد خوشگلی سے کہ غزنی کے قریب ہے،
ہندوستان اگر بلند شہر شاہجہاں پور اور فرخ آباد میں بنی حسب سہولت آباد
ہو گئے تھے۔

سہل صاحب ۱۹۷۱ء میں بمقام سہارن پور پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد
ماجد بسلسلہ ملازمت وہاں اقامت گزین تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد

سے پانچواں گریجویٹ ابتدائی تعلیم کو پاس کیا اور گورنمنٹ ہائی اسکول علی گڑھ میں بھرتی ہوئے
 انھوں نے درجہ تک بیٹھا اور اسی درجہ میں دو سال قبل ہوئے طبیعت اچانک ہو گئی
 اور پڑھنا چھوڑ دیا۔ ۱۹۱۸ء میں طبیہ کالج دہلی میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں کورس
 ختم کیا۔ ۱۹۲۰ء میں طبیہ کالج کی سند حاصل کر لی۔ علی گڑھ اور گنجانہ دونوں
 میں طبیہ کالج رہے۔ اب ڈسٹرکٹ بورڈ ایٹھ میں بزمہ اطباء کے اداویہ طراز
 ہیں۔ اپنے فن میں کامل، وضع اور ایک سنایت ہی بااخلاق انسان ہیں۔ علی گڑھ
 جیسی علمی و ادبی مقام کی تربیت نے ادبی ذوق پیدا کیا اور دوران تحصیل فن طب
 کتب بینی اور مولود و لہجاء اردو "دہلی" کے قیام نے اس مذاق کو چمکایا اور آپ
 نے دنیا کے شعرو شاعری میں قدم رکھا ابتداء حضرت عطاء قاضی عطار اسی صاحب
 سہارنپور ہی سے کہ علی گڑھ کی کسی عدالت میں پیشکار اور نام و نمود سے گریزاں
 اردو و فارسی مخفوری میں ایک سرآمد روزگار بزرگ تھے۔ لہذا اختیار کیا۔ اور
 چونکہ موصوف کو عدالتی کاموں سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ اس لئے حضرت
 ہادی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل مائیکورٹ الہ آباد سے کہ اس زمانہ
 میں علی گڑھ میں وکالت کرتے تھے۔ دو تین سال تک اصلاح لیتے رہے۔ اب
 جو کچھ تصنیف کرتے ہیں زور طبع سے خود ہی صاف کر لیتے ہیں۔

غزل

حسینہ والے بس کہ سب کچھ ہو گیا حاصل مجھے تو نے سب کچھ دیدیا دیکر گدا زدل مجھے
 تو نے یہ کیا شے بلا دی ساقی محض مجھے کر دیا جس نے حقیقت آشنائے دل مجھے

اس کے دامن میں تھا ہر آرام جاہل مجھے
چھاننے لے لے جنوں خاک رہ منزل مجھے
دل لگی میں لٹ گیا سارا مستع آرزو
بیقرار شوق ہوں سن لو خدا کے واسطے
میں تو سمجھا تھا تجھے اک شغل الفت بیخودی
اور اک سا غر عطا کر اللہم زدنزد
کٹھن جا رہکتا ہوں اک بھاری سا بھوکھ قلب پر
ڈال لے کچھ مصیبت میں کہ تیری یاد سے
اُن رے آئینِ حُجرت اتنی دلسوزی کے بعد
اب تو اس درجہ پہ ہے محرومی قسمت کا رنگ
جستجو میں اپنی مجھ کو کھو تو جانے لے ذرا
اک نظر کی بات ہے جی جاؤنگا جی جاؤنگا
میری ہر جدوجہد نے ہو کے ثابت ایمان

یا دایا پھٹسکے اب گرداب میں ساحل مجھے
ان ہی ذروں میں نظر آجائے شاید دل مجھے
یہ وفاد کا ہوا انھم البدل حاصل مجھے
متھ زبانی یاد ہے سبے استان دل مجھے
کر دیا تو نے تو سچ مجھ کا نیز منزل مجھے
بے نیاز ہوش کر دے ساتی محفل مجھے
یاد ہے تیرا بھی نسخہ اضطراب دل مجھے
کر نہ لے عیش تن آسانی کس غافل مجھے
داغ وہ بھی داغ ناگامی ہوا حاصل مجھے
خود بری لگتی ہے اپنی آرزو سے دل مجھے
دور سے پہچان لے گی خود تری منزل مجھے
دیکھ لے بس اک نظر بس اک نظر قاتل مجھے
ابنوسمیل کر دیا تقدیر کا تال مجھے

۱۵۔ بصیر - فرخ آبادی - (حافظ ہزار میر خاں جہا ساکن مین پوری)

درِ فرقت سے ہے چلنا دو قدم مشکل مجھے
لے چلا ہے جانبِ محبوب جذب دل مجھے
میں نے یہ سمجھا کہ نظارہ ہوا حاصل مجھے
کون تھا کس کی اداسے شوخ دل کو لے لگی

ضعف سے ہے کوئی جانا سینکڑوں منزل مجھے
میرے دل میں تھیں مزویں گئیں سب ل مجھے
جب کہ درپردہ نظر آیا میر کا ل مجھے
کون تھا کس شوخ نے یار کیا بدل مجھے

یاد آئیگی جو اے ساقی تری محفل مجھے
اب تضا دکھلاے گی حوروں کی بھی محفل مجھے
محفل کا شربت بنا آبِ چہ باہل مجھے
پھر نظر آیا نہ وہ ہرگز میرے کامل مجھے
چھوڑ کر قاتل نہ بایوں، مورتیں کل مجھے
وہیں اس دنیا کا جب ہو گیا حاصل مجھے
پھر راز، جذبے پہلی ہوا رقصِ دل مجھے
ریکھے دکھلائیے گا کیا کیا ابھی یہ دل مجھے
تو کو لے گی عدم کی دم میں طے منزل مجھے
خوبیاں، ساری عطا ہو تیں نہ ملتا دل مجھے
شکر ہے ان کے شہیدوں میں کیا شامل مجھے

تعلیم میں نہ شہ کوثر مرہن ہو جائے گا
سینکڑوں جلسے پریناں اور کہہ دکھلا تا خواں
ٹی کہا بوسہ زنا، الہ کا جو لے نہ رہا میں
وہ اندھ شب، آفتاب پر مر رہتا، نظر اتنی نکلاش
بیت پر تہمت پھر دے لے کبیر لہ، کر کے پیر دے
آتش رنگ حسد سے جلے، رامیر اور قیام
جس جگہ سے نکالیاں دیکر نکلو اے میرے
ابتداء عشق میں اس درجہ یہ بتایاں
کیوں نہ جھک جھک کر لایں لوں تری آغوش
اس قدر بتایاں ہو تیں نہ ہو، اضطراب
تیرے بلا دامن نے قتل کر کے لے لے لے

۱۶۔ سیخو ڈر ڈیا بیوی ربا اور ام تلیہ حضرت عاشق ڈیا بیوی

نوٹ: حالات سلسلہ باقیات اوہا پر ملاحظہ ہوں

ہاں دکھا کچھ تر اثر لے جذبہ کامل مجھے
منسل کرتی ہے میری سعی لا حاصل مجھے
دردِ راقی لئے پھرتا ہے میرا دل مجھے
گر گئی تھی جو کبھی گم کردہ منزل مجھے
میں ہی مٹ جاؤں تو کیونکر ہو حاصل مجھے
کوستا ہوں دل کو میں اور کوستا ہوں دل مجھے

بدگمان پھر کر یہ نا ہے اضطراب دل مجھے
فرح کے قابل سمجھتا ہی نہیں قاتل مجھے
ہیں وہی پردہ ہوں جس میں آنکا جلوہ ہوا
جستجو میں پھر اسی منزل کی آواز ہوں میں
پردہ حائل مجھے اچھا بنایا یا رنے
لے چلا پھر کون مجھ کو جلوہ گاہِ ناز میں

اضطراب شوق اک دن گالیاں بھرا کر
دیکھتے ہیں یہ کچھ بڑی کیا ساگر
ہے بہت دشوار بچنا دل کا بزم نازیں
اور نہ ہر عزم قسم ہو کیا مٹا لی جیسے
رہ گیا بچھوٹی میں ہاتھوں سے کیجئے ہم کر
کر دیا کس کی نگاہ ناز سے بس حمل مجھ

۱۰ - پیرا دل سے پیرا دل

نادی یار خاں نام ، روشنی اسد یار خاں کے صاحبزادے سولن پور (ضلع
گجرات) اور مصنف کی بھٹان ہیں۔

آپ ۱۹۱۰ء میں پوربھوڑ میں پیدا ہوئے اور پندرہ سال کے بعد
پوربھوڑ میں سایہ پوری سے غروم ہو گئے آپ کی تربیت آپ کے تانا و تانا
معا نسب نے کی اور اردو اہل تک تعلیم دلائی۔ دورانِ تعلیم تالیفِ غلام حسین
نائی بزرگ سے فارسی و ریاضیات میں پڑھیں۔ کالج کے سالانہ مشاعرہ کی مقرر
مے شوق شاعری کیا اور ۱۹۱۹ء خود اپنے وطن میں ایک سالانہ مشاعرے
کی طرح ڈال دی اور اس طرح اپنے اہل وطن کے دل میں پند بشتہ و شاعری
پیرا کر دیا جہاں ایک شاعر ڈھونڈے اقتدار آتا تھا اب ہاں عقدہ و خوشگوار تہ
ہو جود ہیں۔

آپ کو حضرت اختر حکیم محمد محبوب علی خاں صاحب فیروز آبادی سے شرفِ
تلمذ حاصل ہے۔ شاہ ابوالحسن صاحب ٹاڈی کے فیوضِ باطنی نے جن
سے آپ بیعت میں آپ میں ایک خاص کیفیت پیدا کر دی ہے جو آپ
کے کلام سے جا بجا نمایاں ہے۔

غزل

بحر غم میں ہے سفید دور ہو ساحل مجھے
 مل کے اک سیداد گر سے یہ ہوا حاصل مجھے
 جان کر کیس سمجھ کر رحم کے قابل مجھے
 اب تو خود حسرت سے کہتا ہوں قاتل مجھے
 تم ستم کرتے ہو لیکن یہ ہے اس کا خیال
 میں وہ جنوں ہوں تصور میں ہیں جس کے اثر
 جب حری حسرت بھری ہنکھنسا نکھیں مل گئی
 ہوں وہ ناکام محبت غرق جس دم میں ہوا
 میں وہ دیوان ہوں جب گھر سے بیاباں کو چلا
 جب قریں ساحل کے پہنچا اگئی مہجنت نیند
 دل کا لینے والا کچھ کچھ آپ کے ہم شکل تھا

دے تو ہی آگن رہا یا ناخائے دل مجھے
 دل کو میں روتا ہوا اور روتا ہوا مل مجھے
 خود اٹھا کر رکھ لگیں ہو میں لب ساحل مجھے
 کر دیا ناکا میوں نے رحم کے قابل مجھے
 زندگی اپنی نہو جائے کہیں مشکل مجھے
 دمت کا ہرزہ آتا ہے نظر محض مجھے
 دیکھتے کا دیکھتا ہی رہ گیا قاتل مجھے
 مضطرب ہو میں پھر ٹھوٹا کیا ساحل مجھے
 سو قدم لینے کو آئی خود مری منزل مجھے
 جب کھلیں آنکھیں تو کوں دور تھا ساحل مجھے
 بس خیال اتنا ہی پڑتا ہوا بیدل مجھے

۱۸۔ تہاج میرٹھی

ظہیر الحسن زبیری رکن ادارت رسالہ خاتون و مدیر رسالہ فتنہ میرٹھی
 ہو مبارک نزع میں ہوتا مرا غافل مجھے
 زندگی جاوداں بننے جو مٹ کر دل مجھے
 گریہ بے اختیار اب مضطرب ہے مشکل مجھے
 غرق ہو کر میری کشتی خود ڈھکانے جا لگی

بند آنکھیں کیا ہوں ہاتھ اگئی منزل مجھے
 تب میں سمجھوں لذت دنیا ہوئی حاصل مجھے
 گدگداتا ہے خیال ناوک قاتل مجھے
 ڈوب کر ہاتھ آیا بحر عشق کا ساحل مجھے

کھینچ لے منزل پہ اب تو حد یہ منزل مجھے
پھر سے دہرائی بڑی داستانِ دل مجھے
ہائے روتا رہ گیا ساحل کو میں ساحل مجھے
میری حسرت نے کیا پابند آب و گل مجھے
کوئی ملتا ہی نہیں فطرت شناس دل مجھے
عمر رفتہ نے دیا دھوکا سیرِ منزل مجھے
حلقہ گرداب ہی بنجائے گا ساحل مجھے
کر گئی آزاد آوازِ شکستِ دل مجھے
اپنے دامن میں چھپالے پردہ محفل مجھے
تجھ سے اتنی آرزو ہے اضطرابِ دل مجھے
اپنی جانب کھینچتا ہی رہ گیا ساحل مجھے
ناشناس درد سے کنا ہی دردِ دل مجھے
چھوڑ دینی چاہئے اب کوششِ ساحل مجھے!

ناتوانی سے گرا جاتا ہوں اک اک کام پر
پھر میرے شر مرا منہ کو کلیجہ آگیا
موج گردابِ فنا میں کوششیں بیکار تھیں
ہندگی میری ہے خود وہ بنائے دو جہاں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں دنیاے الفت میں گر
ہائے منزل پر پہنچنا تھا کہ جاںِ خصمت تھی
بحرِ الفت میں طلائعِ خمیڑوں کی فکر کیا
ٹوٹے ہی دل کے ٹوٹے طلسمِ آرزو
اکٹھکے کتا ہے بیاہاں میں یہ مجنوں کا غبار
گرتے پڑتے ہی پہنچ جاؤں حریمِ ناز تک
سے ہی ڈوبی آرزو سے مرگِ بحرِ عشق میں
دور ہو ہر خموشی ہر دردِ مانِ زخم سے
اور کچھ کہتی ہے قسمت تاجِ بحرِ عشق میں

۱۹۔ تائبِ فرخ آبادی

پھل کھلائیگی ترسے خجھر کالے قاتل مجھے
آبِ خجھر ہی سے کر میرا بلسے قاتل مجھے
زخمِ نادم کرتے ہیں نہیں نہیں کالے قاتل مجھے
شانِ ابرو کم نہیں خجھر سے اسے قاتل مجھے

گلشنِ ہستی میں لائی حسرتِ بسل مجھے
تشنہ کا می محبت نے کیا بسل مجھے
ہچکیاں لینا بھی مشکل ہے دمِ بسل مجھے
شرنگیں آنکھوں کی جنبش نے کیا بسل مجھے

ہر ادا سے دل نہ لاتی رہی کئی قاتل مجھے
 ہیکر پرانے دل میں تیرا تار و پود
 دق کو یہ کی خون تھوکر اگر مجھے کئی
 چاند سی صورت ہی دکھلا لے مہ کال مجھے
 کاش دینا بھی تو پتھری کا دینا دل مجھے
 حیرتی آئینہ ساں کر دے تو ہی محض مجھے
 تو ہی دکھلا دے اٹھا کر پر وائے محض مجھے
 تم پہ آتے سمجھ کر رحم کے قابل مجھے
 خوب بیزاریں بتہ دیں گی ترا قاتل مجھے
 قید مستی سے رہا کر دے مرا قاتل مجھے

نارنگی سے دل نہ لاتی رہی کئی قاتل مجھے
 ہم کو کئی سالوں سے دل نہ لاتی رہی کئی قاتل
 دست از نگاہ پر ہوا میں نہ لگے لائی جی
 کس طرح ہو گی بسر آخر شب تار فراق
 لے خدا الفت نہ دینا سنگدل اصنام کی
 لے سراپا حسن زینت کو جو تو اسے لٹا قیام
 صورت اپنی کو بدل کر لے لے ہوا سے اشتیاق
 ظلم کے شکوے نہ کر تا شکر کرتا رنج میں
 قتل تو کرتا ہے چھپکر۔ پیش داور حشر میں
 اب تو بار زینت تاائب مجھ سے اٹھ سکتا ہنر

۴۰۔ حگر۔ مراد آباری

نوٹ۔ حالات و سوانح صفحہ ۱۵۲ پر ملاحظہ ہوں

ہر طرف سے آج آتی ہے صدے دل مجھے
 جا رہا ہوں جس طرف لیجا رہا ہے دل مجھے
 اس کو قاتل کہنے والے کہ اٹھے قاتل مجھے
 درد بخشا ہے اگر تو نے بجائے دل مجھے
 لے اڑی ہے ایک موجِ میتر دل مجھے
 خضر آتا ہے نظر بے گانہ منزل مجھے
 تو نے سب سے کر دیا بیگانہ و غافل مجھے

اب کہ ہر جاؤں بنا اسے جذبہ کمال مجھے
 فکر منزل سے نہ ہوشِ مسبا دہ منزل مجھے
 یوں تو رہا ہے دل نے تیرا سہر محض مجھے
 اب زبان بھی دے ادائے شکر کے قابل مجھے
 روک سکتی ہے تو بڑھ کر روکے منزل مجھے
 اک جھلک دکھلا بھی لے نعرشِ مستانہ دار
 اے ہجوم نا امیدی شاد باش و زندہ باش

خون دل رگ رگ میں جم کر لیا اس قسم سے
 میں ازل سے صبح شمس تہ فزائے دنیا
 بچونک دے لے غیرت ہو ز محبت ہو کسا
 ہر اٹالے پر ہے پھر بچو اگر دن تسلیم خم
 جان دے کر حشر تک میں ہوں عری تنہا
 یہ بھی کیا منظر ہے بڑھتے ہیں ہٹتے ہیں قدم
 درو مجرومی سہی۔ احساس اکاکی سہی
 توڑ کر بیٹھا ہوں راہ شوق میں اب طلب
 میں۔ ہوں گا ہر تصور ہر نگہ کے ساتھ
 کیسا قطرہ کیسا دریا کس کا طوفان
 جا بھی اے ناصح کہاں کا سودا کیسے
 اللہ اسد جوش شرم گندہ کاری جبکہ

بڑھ کے سینہ سے نہ اٹھائے مرا قاتل مجھے
 حسن سمجھا تھا چرخ آئینہ منظر مجھے
 اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے
 جانتا ہوں صامت دھوکے دے رہا کون مجھے
 ہاں مبارک فرصت نظارہ قاتل مجھے
 تک رہا ہوں دور سے منزل کو میں تہاں مجھے
 اس نے سمجھا تو بہر صورت کسی قابل مجھے
 دیکھنا ہے جذبہ بیتابی منزل مجھے
 کاش اک دن قتل کر ڈالے مرا قاتل مجھے
 توجو چاہے تو ڈبوئے خشکی ساحل مجھے
 عشق نے سمجھا دیل ہے عشق کا حامل مجھے
 انتظارِ رحمت حق ہو گیا مشکل مجھے

۲۱ - حامد - اناوی

حامد خان نام، محمد خان کے صاحبزادے اٹالے کے رہنے والے اردو ٹیل تک تعلیم
 پائے ہوئے تحصیل کربل میں بزمِ امیدوارانہ منسلک ہیں۔ ۲۲ سال کی عمر
 ہے جس کے حساب سے غالباً ۱۹۷۷ء میں پڑھا ہوئے ہوں گے۔

(از حالات نوشتہ قاسم کربلی)

نثر

ہم نے اس انداز پر قاتل کے دل کو دیریا
تیر کا تم کیا کر دگے تیر کو رہنے بھی دو
اضطراب درد کی سوزشیں سب مٹ گئیں
کوئی دم میں بچھنے والا ہے چراغ زندگی
الوداع لے اضطراب قلب مضطر الوداع
کشتی غمرواں گرداب غم میں آپری
آج لیلائے دو عالم ہے اسی میں جلوہ گر
ہے راہ عشق میں اس نجات کی برکت کی

غیر پر ڈالی نظر اور کر دیا بسمل مجھے
تاکہ کچھ معلوم ہوا انداز زخم دل مجھے
پہن بھی آیا تو زیرِ خنجر قاتل مجھے
اب نظر آتا ہے کچھ ہندو دروہ دل مجھے
آج کہنا ہے کسی سے آرزو ہے دل مجھے
اب تو کوسوں تک نظر آتا نہیں ساحل مجھے
بن گیا ہے دل کا پردہ پردہ نعل مجھے
دو قدم چلنا بھی حاصد ہو گیا مشکل مجھے

۲۲ حقیقہ - مسیح آبادی

حفیظ الرحمن خاں نام حقیقہ تخلص، منشی ارادتمند خاں کے بیٹے اور علی گڑھ صنعت فرخ آباد کے
باشندے ہیں بچپن ہی میں حضرت شاہ طالب حسین صاحبِ شریفیت خاں کے ہاں حقیقہ مجسمی کا نام پڑا
حفیظ صاحب اکتوبر ۱۹۰۲ء میں اپنے وطن میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنی چچا سعادتمند خاں مرحوم
کے پاس فتح گڑھ میں پائی پھر گوالیار میں انگریزی پڑھتے رہے مگر چونکہ وہاں کی آب و ہوا اس آئی لہذا
مکان پر چلے آئے اور فتح گڑھ ہی میں سند تعلیم شروع کیا یکایک مسئلہ خلافت باعث شہداء
میں تعلیم کو ساتھ بوجہ اختلاف ایسے اے کو بھی غیر دکھایا اور آئندہ زندگی کیلئے قومیت کا مستقل
شغل اختیار کر لیا ۲۲ء میں خواجہ عبدالحمد و ڈاکٹر یوسف خاں پر وفیہ جامعہ عثمانیہ دکن،

کی تحریک پر پھر حصول علم کے دلولہ نے مجھ کو کیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی
۲۵ء میں گنیز بیا یا نے زندگی کو ادارت اخبارات کی باندیوں سے بدل دیا اور ۲۶ء میں کنگسٹن فرخ
فرخ آباد کی ادارت کرتے رہے اور اب ۲۷ء سے مستقل اخبار عجیب ”فرخ آباد کی ادارت
کیسا تھ ساتھ رسالہ ”مشاعرہ“ فرخ آباد کے ایک کن کن کن کی حیثیت سے بھی کام کر رہے ہیں۔
آپ کا پیرس آتی ہے ایک راز و منشا و خوش مذاق نوجوان میں شاعری کا شوق جناب
حفیظ کو ۲۸ء سے زمانہ قیام کو ایسا رجاس شعر یہ میں شرکت اور حضرت مضطر خیر آبادی رحم
وہ بانو مزین پرشاد تھری رائے کی قیمتی صحبتوں میں پیدا ہو گیا تھا اور انھوں نے وہیں اس وقت کے
ابتدائی مراحل طے کرنا شروع کر دیئے مگر جب ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کا زمانہ احتجاج شروع ہوا
وہ گل ملیں کے چمنستانِ زمخشی سے الٹا کر خالص مذہبی قومی شاعری کی جانب توجہ ہو گئے دوران
تعلیم جامعہ ملیہ ولانا مونس پور کی کے فیض صحبت جناب اچ پھیر ہونڈی جناب ثانی جاسی کی
کو مفہام میں نے جادو کا کام کیا ادھر انواع و اقسام کی ذہنی صعوبتوں اور مستقل پریشانیوں نے
حقیقی احوال شاعری پیدا کر دیا اور وہ ایک با اثر پیر تاثیر اور دلگداز کلام کے حامل ہیں۔
(ماخوذ از خودنوشت و نوشتہ جناب کشتہ قادری)

غزل

وہ بھی کیا دن تھے کہ لطفِ نازت تھا حاصل مجھے
لے اُڑی ہی بخود ہی اضطرابِ دل مجھے
دور تجھ سے کر رہا ہی اضطرابِ دل مجھے
کاش اتنا ہی بتا ہی بخود ہی دل مجھے

ہر نفس تھا اک پیامِ اضطرابِ دل مجھے
روکنا اے حسرتِ زخارہ و ستائل مجھے
اب اٹھا وینلے یہ بھی پردہ حائل مجھے
کھو گیا میں اب یا لگم کو گئی منزل مجھے

ہر قدم پر اب نظر آئے گی مستنزل مجھے
 دور مبتلا جا رہا ہے ریکٹر سائل مجھے
 میری ہر افتادگی شوق ہے منہاں مجھے
 میری فطرت نے بنا ڈالا سراپا دل مجھے
 بہ نفس دکھ رہا ہے کدنی منزل مجھے
 دست انگلیوں سے چھوٹائے ساتی منزل مجھے
 جس کا ہر قطرہ ہے اک شہیاد سائل مجھے
 دور سے گھبر رہی ہے دیکھنا منزل مجھے
 پیکرِ انساں میں لائی قید آب و گل مجھے
 ان سے کہنا ہی ابھی تو داستانِ دل مجھے
 راس کب آتی ہوائے دامنِ سائل مجھے
 قتل کرنا پھر آسمی انداز سے قاتل مجھے
 کیوں نہ سمجھیں لوگ بارِ خاطرِ محض مجھے

دیکھنا یہ ہے کہاں بجائے جذبِ دل مجھے
 کلبہ طوفانِ حشر انگیز یہ ہے ساقِ دل مجھے
 قاتلِ دارِ ابراہیم کیا میں کہیں ہوں گریوں
 رفتہ رفتہ سو گئی تکمیلی تعمیرِ حیات
 ہر قدم پر بہت سا عالمِ جہنم شوق میں
 یادِ بیچوش سے بھنی نیش میری پیاس
 میں محیطِ عشق میں ہوں ایک درہ موجِ فنا
 اسدِ اندر یہ مری ظالم جنوں سامانیاں
 میں کہاں اور وحشتِ آبا و غم ہستی کہاں
 نزع میں کچھ کہتے کہتے، اکسبیلی ہی کیوں بان
 پھر وہی طوفانِ وہی کشتی وہی موجِ فنا
 نیم باز آنکھوں کا وہ منظر ابھی تک یاد ہے
 سوز سے کھویا ہوا اک شمعِ کشتہ ہو حفیظ

۲۳ - دردِ مین پوری

آرزوے دید جاناں بن گئی قاتل مجھے
 دل کے آئینہ میں پھر آیا نظرِ قاتل مجھے
 جین سے سوئے نہ دیکھا میرا دردِ دل مجھے
 اپنے ہر فردہ میں آتا ہے نظرِ محض مجھے

آنکھ تک آتے ہی دل بے کر گئی بس مجھے
 پھر مری مشقِ تصور نے کیا بسمل مجھے
 قبر میں بھی حشر تک رہتا پڑا اب بیقرار
 میں وہ مجنوں ہو کر اے لیلیٰ پردہ نشین

گیسویے جاناں بکھرتے ہی گھٹاسی چھاگئی
 بختِ خوابیدہ جو میرا جاگ اٹھایہ کیا ہوا
 تھا عجیب ذوقِ کشتش قلاب میں لائی کھینچ کر
 خاک کے بوسے لئے بڑھ کر حسینِ تنوں نے
 بحرِ سستی میں جو طوفاں خیز کچھ موجیں اٹھیں
 دہرایے جب فضلِ اتمی میرے شالِ حالِ ہر
 خود نظر آئے لگا دھندلا مہ کا ل مجھے
 حاصلِ خوابِ تمنائے کیا فاضل مجھے
 یہ تو نورِ ازل سے میرے آبِ و گل مجھے
 جب نظر آیا نشانِ حاصلِ منزل مجھے
 قطرۂ اشکِ روانِ میرے بنے ساحل مجھے
 کیوں نہ ہو آساں جو پیش آؤ کوئی مشکل مجھے

۲۴۔ راقِ شیخپوری (عبدالرزاق شیخپور) ضلع فتح آباد

تو نے اوتیغ ادا ایسا کیا بسل مجھے
 ابتداءے عشق میں صحرانوردی کی ہے دمن
 لیچلا صحرا کی جانب کھینچ کر جو ششِ جیوں
 فصلِ گل آئی طبعیتِ مائل و خشتِ ہوئی
 آس کی کشتی بھنسی ہے بحرِ غم میں آجکل
 یادان کی ہر گھڑی لیتی ہے دل میں چٹکیاں
 اپنی جو خواہش بھی وہ شکرِ خدا پوری ہوئی
 واہ رمی تقدیرِ جب سے میں نے ان کو دل دیا
 جان کیونکر دیتا ہے پروانہ عشقِ شمع میں
 طالعِ قسمت چمک اٹھے مثالِ آفتاب
 ایک ہلکا سا تو قاتل وار مجھ پر اور کر
 کیا کموں اس کے سوا جینا تھا شکل مجھے
 آگے آگے دیکھے کیا کیا دکھائے دل مجھے
 اس طرح کرنی پڑی طے عشق کی منزل مجھے
 لے جنوں بہرِ خدازنداں میں کر داخل مجھے
 یاس کی صورت دکھائیوں چشمِ دل مجھے
 سانس کا لینا بھی آخر ہو گیا شکل مجھے
 لیچلا شوقِ شہادتِ جانبِ قاتل مجھے
 ہر اداسے دلہنِ یاسی ہو گئی قاتل مجھے
 لاش نے اس سوختہ کی کر دیا قاتل مجھے
 کاش مل جائے جو وہ رشکِ مرکا مل مجھے
 پھوڑتا کیوں ہے خدا کے واسطے بسل مجھے

پتھر سے لکھی نظر آتی نہیں اب زندگی ان تینوں کے ظلم سے جیتا ہوا شگل مجھے
 دیکھتا ہوں خواب میں اکثر تین انکی بالنگ کو آج کل درپیش ہے ظلمات کی منزل۔ مجھے
 کوچہ و لدار تک اپنا پو پو بخت ہے محال کھینچ کر زاق لایا چہ کو سیرا دل۔ تینے

۲۵۔ رزم۔ ردوولی

بعض مہدی نام، سادات و رؤساء ردوولی سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب
 ایک جانب شاہ مخدوم عبدالحی قدس سرہ اور دوسری طرف امام رضا رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ ایک منتہی ہوتا ہے۔

رزم صاحب ۴ شعبان ۱۳۲۷ھ کو پیدا ہوئے اور نو دس سال کی عمر
 تک گھر پر عربی و فارسی پڑھتے رہے۔ پھر فیض آباد کے کسی مدرسہ میں "مولوی"
 کے درجہ میں داخل کرائے گئے۔ بعدہ "مدرسہ سلطان المدارس" لکھنؤ میں تعلیم
 پائی پھر عراق، رب تشریف لے گئے۔ اب خاندانی جائداد پر قابض بر احوال تمام
 بسراوقات کرتے ہیں۔ ذوق شاعری کی بیدائش کے متعلق وقائع فیض آباد
 کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

"امتحان کا زمانہ تھا۔ ایک دن دوپہر کو سو گیا، خواب میں ایک بزرگ
 سیاہ چادر میں سر سے پیر تک ملبوس مجھے نظر آئے۔ جلالت سے میں
 متحیر تھا۔ مجھ سے کہنے لگے "تو شعر کیوں نہیں کہتا؟" یہ خواب دیکھ کر بیدار
 ہوا۔ اس کے پہلے بھی اگر مجھے شاعری سے ربط نہ تھا تو بے ربطی بھی نہ تھی
 مگر کبھی یوری غزل کہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ایک شعر کہے تھے۔۔۔۔۔"

یہ حال مذکورہ بالا واقعہ کے بعد تب اس طرف خاص طور پر متوجہ ہو گئے۔ اور ایام تعطیلات میں جب وطن پہنچے تو وہاں کے مشاعروں میں خصوصیت کے ساتھ شرکت کرنا شروع کر دی۔ خود غزل کہتے مگر کسی اور شخص کے نام سے اور وہی مشاعرہ میں پڑھ بھی دیتا تھا۔ سلطان المدارس کی تعلیم کے دوران میں ذکی اور بزرگ شیخ حضرات سے اتفاق محبت و ہم سبقی ہوا۔ اس زمانہ میں مدرسہ مذکورہ کے طلباء میں شعر و شاعری کا پرچار زوروں پر تھا۔ اور اکثر فی البدیہہ شعر پھلتی کے طور پر کہے جاتے تھے۔ بیت بازی ہوتی تھی۔ آپ بھی اس ٹنگ میں لگ گئے اور مولوی ناظم صاحب کے توسط سے جو مدرسہ کی مدرسے کے ساتھ دینی شاعری کے بھی خیر راہ تھے۔ اس کوچہ میں علانیہ طور پر کاغذ مزین ہوئے دو سال بعد مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ مولوی صاحب موصوف کی رہنمائی کا تعلق بھی منقطع ہو گیا۔ اور آپ باوجود ایک سو نو دو گو اور پرگو ہستی ہوئے کے بھی جس کا بعض حضرات نے اکثر امتحان کیا۔ اپنے کلام سے مطمئن نہ تھے۔ تا آنکہ کسی تقریب سے حضرت نجم آفندی اکبر آبادی کا گذر ردولی ہوا۔ اور آپ نے مدوح کے طرز کلام کو پسند کر کے ان سے شرف تلمذ حاصل کر لیا۔

غزل

میں یہ سمجھا دو نون عالم ہو گئے حاصل مجھے ان کی خود بینی کا صدر قل گیا جب دل مجھے
دین و دنیا سے کیا جب عشق نے غافل مجھے دل نظر آیا کچھ اس کی یاد کے قابل مجھے
ہر سکوں ہر اضطراب موج ہو ساحل مجھے جس جگہ چاہے ڈبوئے عشق دریا دل مجھے

غم سے سودا کر لیا غم ہو گیا حاصل مجھے
 تاب کے پابند رکھتی دھند آج کل مجھے
 میں کہہ کے رہ گذر کی خاک ہو کر رہ گیا
 دل نہ تال در دم دیتے نہیں کرتا جگہ
 ہوا کاہ نام نہی ان کی دو نام سے بلند
 اندر طالب و مطلوب کی بیکر لگیاں
 دیکھ تیرا دیکھنے والا تماشا ہو گیا
 آپ سے سامنے تصویریں کواحقات
 ہم نفس یہ عالم گم گشتگی کے راز ہیں
 روشنی شفق میں جب خود شناسی میں نہیں
 جسم ہے جاں محض ہے شمع ہو کر رہ گیا
 سزا دہ کوئی راز پر چڑھ کر کوئی سر نہ بڑھ کر
 دے دے سکتے دینے والے دل کے بدلے دل مجھے
 گھر پر پرواز دیتے حسیاتِ دل مجھے
 دامنوں میں لے گئے رہبر و سر منزل مجھے
 دل دیا ہے تم نے اپنے دینے کے قابل مجھے
 دو قدم چل کر ہوا اندازہ منزل مجھے
 امتیاز درد دل بھی ہو گیا مشکل مجھے
 جویت سے کہہ دیا تظار میں شامل مجھے
 آئینہ تھا زندگی کا خبر قاتل مجھے
 پا گیا منزل کو میں یا پائنتی منزل مجھے
 ان کے جلوے ہی نظر آئے سرشتِ دل مجھے
 اب دکھا اپنی تجلی شمع بے محفل مجھے
 طعنہ دیتا ہے ہر اک ناقابل و قابل مجھے

۴۶۔ رضی - بدایونی

رضی احمد نام بدایوں کے ایک ممتاز خاندان کے فرد ہیں اور آپ کا خاندان
 بلحاظ علم و فضل و وجاہت بدایوں میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔
 آپ کا سنہ پیدائش ۱۸۸۲ء یا ۱۸۸۳ء ہے۔ مروجہ طریقہ کے مطابق عربی
 و فارسی کی تھمیں مکان پر کرنے کے بعد آپ نے ۱۶ سال کی عمر میں انٹرنس کا
 امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور ۱۹۰۷ء میں بعدہ سب انسپکٹری پولیس

ماہور ہوئے۔ قدرت نے علمی ذوق شروع سے ہی طبیعت میں ودیعت کیا تھا جو اس ماحول میں جس میں آپ کی پرورش ہوئی نشوونما پاتا رہا اور اس پر آپ کی ذہانت خداداد وسیع النظری اور کثرت مطالعہ نے اور چار چاند لگا دیئے۔ آپ نے تقریباً ہر سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ پولیس جلیبی غیر شاعرانہ ملازمت بھی آپ کی ذوق فطری میں مانع نہ ہو سکی۔ اور دوبار ملازمت جس جگہ گئے اپنے گرد و پیش ایک مخصوص علمی و ادبی فضا پیدا کر لی۔ اور اپنی مشغلہ شعر و سخن کو جاری رکھا۔ چونکہ آپ نے اپنے کمال کی نمائش کو پسند اور کبھی دوران ملازمت اپنے آپ کو عام پبلک کے سامنے بحیثیت شاعر پیش نہیں کیا۔ اس لئے اس زمانہ کا کلام زیادہ تر محفوظ نہ رہ سکا۔ حال میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اعزاء و احباب کے اصرار سے اب کلام کی تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کی ہے اور کافی مجموعہ مرتب ہو چکا ہے۔ جو جلد اصناف سخن پر حاوی ہے۔

آپ موجودہ دور کی ان چند ممتاز ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے گل و بلبل۔ شائد و کاکل کی فرسودہ شاہراہ سے الگ ہو کر جذبات کی صحیح ترجمانی اور نقوش فطرت کی حقیقی مصوری کو اپنا لقب العین قرار دیا ہے۔

آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیات۔ رفعت تخیل۔ دلکشی تراکیب۔ چستی بندش۔ اور نزاکت تشبیہات ہیں۔

(ماخوذ از حالات نوشتہ آفتاب احمد خاں)

غزل

دعوت سعی عمل دیتی ہے ہر مشکل مجھے
اضطرابِ دل ہے تہید سکونِ دل مجھے
ایک تینوں مضطرب ہوں ایک جوشِ مستقل
آخر میں صد آفریں ذوقِ فریبِ جستجو
جنش ہر موجِ پیغامِ فنا دینے لگی
غم کی نظرت ہی بدل دی غم پسندی تو مری
جین اک مرکبہ کر لوں ریح کی سبقتیں
موجِ طوفانِ بلا تیرے کرم کا شکریہ
گوشش برآواز ہو جائے نظامِ کائنات
کر دیا راہِ طلب میں گم فریبِ شوق نے
کر چکا ہوں طے مذاقِ دید کی سب منزلیں
ہوں کرم پروردہ آغوشِ طوفانِ فنا
رنگ پر ہے داغِ غما، اشکِ غوین کی بہار
میری کشتی ہے اگر بیگانہ ساحل ہو تو ہو

خضر منزل ہے خیالِ دوری منزل مجھے
اب وہ عالم ہے کہراک موجِ ہوساں مجھے
کر دیا کیفِ محبت نے سراپا دل مجھے
دُور زلے میں نظر آئے لگی منزل مجھے
دے نہ دھوکا اے فریبِ حسرتِ ساحل مجھے
کوئی مشکل اب نظر آتی نہیں مشکل مجھے
آج ہے منظورِ شرحِ اضطرابِ دل مجھے
کر گئی تو بے نیازِ حسرتِ ساحل مجھے
چھپرنا ہے پردہ سازِ نواے دل مجھے
ڈھونڈتا پھر تا ہوں اب منزلِ گم منزل مجھے
دے نہ دھوکا اے فریبِ پردہِ محمل مجھے
موج ہے کشتی مجھے گردابِ ہوساں مجھے
بے نقص میں لطفِ گلکشتِ چینِ ساحل مجھے
کھینچ لے گی خود ہوائے دامنِ ساحل مجھے

فیضِ حسن بے تاشا عام ہی لیکن رضی

خود مرا ذوقِ نظر ہے پردہِ حائل مجھے



۲۷۔ رعنا۔ اکبر آبادی

شکورا احمد نام، تشار احمد صاحب کے صاحبزادے متوطن آگرہ ہیں۔ آپ کیم جلالی
سن ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور اردو ادب پر عبور کافی رکھنے کے ساتھ
انٹرنس تک انگریزی تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ تجارت جیسا باعزت پیشہ ذریعہ
معاش ہے۔

سن ۱۹۱۷ء سے شاعری شروع کی۔ ابتدائی غزلیں حضرت بزم آفتدی اکبر آبادی
کو دکھلائیں۔ بعد میں حضرت نجم آفتدی اکبر آبادی سے مشورہ کیا۔ اور اب تک یہی
مسلك ہے۔

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں اور بڑے بڑے مشاعروں میں شرکت و
کامیاب غزلیں نے نظر میں وسعت اور طبیعت میں زور پیدا کر دیا ہے۔

غزل

کوئی لافے مانگ کر ان سے سکون دل مجھے	اضطرابِ عشق سے ہے زندگی مشکل مجھے
ہوش میں آنے نہ دیگی بخودی دل مجھے	خون کیا ر لوائے گی نیرنگی محفل مجھے
عذر دل لینے میں کیا تھا تم نہ دیتے دل مجھے	کیا ہوا حاصل جھڑک کر صورت سائل مجھے
یاد ہے لے ہو تو ہستی ابتداءے دل مجھے	دل ہوا تھا اک نگاہ ناز سے حاصل مجھے
رہ گزری خاک سے خاک سر منزل مجھے	جو ہر نایاب ہوں اتنی کشش ہو کھینچ لے
جسے نہ دھوکا اہتمامِ یرودہ ٹھہل مجھے	محلِ بلی کجا لیلایے بے تحمل کجا

ایسا آنکھیں کیا دور ہے۔ اب ہوا آشیان
جان ٹھل میں جنہیں سمجھا کیا وہ دل میں ہو
کار فرما سے محبت و سحتِ غم کچھ نہ بوجھ
لے لیا میں نے جو تم نے نا تھا اٹھا کر ویدیا
موت ہو یا زندگی کچھ ہو وہی ہے نا خدا
یاں مذاق آبلہ پائی نے فرصت ہی نہ دی
ہجر کی تاریک راتیں کاٹنے کی چیز میں
میں شکستہ یا نگاہ کاررواں بلی ہوئی
موج طوفاں تیرے تو کوئی آخر پوچھتا

کر چکی صیاد کی بیدا د کے ت بل مجھے
مفت دکھاتا تھا آنکھیں پر وہ ٹھل مجھے
بزم امکاں میں نظر آتا ہو دل ہی دل مجھے
دل کی خاطر غم دیا یا غم کی خاطر دل مجھے
جو تہ دریا سے لے آئی لب ساحل مجھے
کاررواں سمجھا کیا بیگانہ منزل مجھے
مشورہ مرینا کیوں دیتا ہی میرا دل مجھے
اب ٹھکانے ہی لگا دے دوری منزل مجھے
سب کے سب ٹھونڈا کئے رہنا نہ ساحل مجھے

۲۸۔ ریاض کا سگنحوی

تم نے بخشا ہے تو سر آنکھوں پہ رد دل مجھے
اس کے جلوے سامنے ہیں اور میں مہوش ہو
آج گواہِ دردگی سے مثل شمعِ مردہ ہوں
عشق میں تیرے جو ہوتیرے کو مے سے نیاز
ہمیشیں بڑھتی گئیں ناکامیوں کے ساتھ ساتھ
اب کہاں مجنوں کہ دکھناؤں یہ جذباتی دید
دیکھتا ہوں مقصدِ بربہنے کو تیرے واسطے
سچی حاصل پھر کہاں یہ شوقِ منزل پھر کہاں

میں یہ سمجھوں گا کہ سمجھا تو کسی قابل مجھے
میری حیرت لے ڈبویا ہے لب ساحل مجھے
ایک دن ڈھونڈے گی تیری گرمیِ محض مجھے
اے خدائے دل عطا کر دے اک ایسا دل مجھے
رفتہ رفتہ لے اڑی دشواری منزل مجھے
ذرا ذرا ہے بیا باں کا ترا محض مجھے
فرے فرے میں نظر آتا ہے اپنا دل مجھے
کانپ اٹھتا ہوں نظر آتا ہی جب سال مجھے

میرا مسلک ہی جدا ہوا، دنیا سے ریاض اب کوئی سمجھا کرے کم کردہ منزل مجھے

۲۹۔ ساغر نظامی علی گڑھی

صمد یار خاں نام، احمد یار خاں وارثی کے صاحبزادے، متوطن علی گڑھ اور یوسف زئی پٹھان ہیں۔ آپ کے دادا ڈاکٹر محمد یار خاں صاحب علی گڑھ کے ایک معزز بزرگ اور میڈیکل کالج آگرہ کے پہلے طالب علم تھے۔ جس نے سب سے پہلے اول درجہ کے امتحان سرحدی میں کامیابی حاصل کی۔ اب بھی بطور یار نگار قدیم آپ کا نام کالج کی دیوار پر بطور کتبہ کندہ ہے۔

قدیم رسم و رواج کے مطابق آپ نے اردو فارسی اور قرآنی تعلیم گھر ہی پر پائی اور اس کے بعد انگریزی تعلیم علی گڑھ کالج کے حدود میں نامتام طور پر ختم کی اور آخر سلسلہ میں تحریک آزادی سے متاثر ہو کر باقاعدہ سلسلہ تعلیم کو بغیر باد کھدیا۔

آپ کو شاعری سے فطری طور پر محبت ہی سے ذوق تھا جب آپ تیسرے کلاس میں تعلیم پاتے تھے اس وقت بھی غیر محسوس طور پر اشعار موزوں کرتے تھے اور چھوٹی چھوٹی نظمیں کہتے تھے۔ لیکن ۱۹۱۰ء میں صحیح طور پر آپ کو شعری شغف پیدا ہوا اور باقاعدہ طور پر حضرت مولانا سیاب اکبر آبادی مدظلہ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ اور دو تین سال میں غیر معمولی شہرت و قبولیت حاصل کر لی۔ لیکن ۱۹۲۳ء میں آپ نے آگرہ ہونچ کر علی کام شروع کیا اور سالہا بہمانہ کو دو تین سال کے اندر ہی اتنی ترقی دی کہ ملک کے مشہور شاعرف ک،

صفت میں لاکھ کھڑا کر دیا۔ اس کے ذریعہ آپ نے ہندوستان کی جدید شاعری کی بنا ڈالی۔

۱۸۳۷ء میں آپ نے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی سے شہریت حاصل کیا۔ روحانیت کے آپ اب بھی قائل ہیں لیکن مذہب اور پیری مریدی کے متعلق اب آپ کی طبیعت میں ہوس پن اور تحقیقی مادہ پیدا ہو چکا ہے۔ آپ بکھنپی مسلمان ہیں لیکن شدید طور پر وسیع النظر واقع ہوئے ہیں اور اس درجہ آزاد خیال ہیں کہ سخت سے سخت صورت حال میں بھی غیر فروشی کو رد نہیں دیکھتے۔ ۱۸۴۳ء سے ۱۸۴۷ء تک آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں۔

(۱) شبابیات (جوانی کے متعلق ۴ فلسفیانہ رباعیات)، کشمیر کا مستقبل نظم، خجائے برکات نثر، سمندر کی دیوی نثر، تندیب کی سرگذشت نثر، گناہ کی قیمت نثر، دلہنوں کی کانفرنس نثر)

اور غیر مطلوبہ تصانیف کی معقول تعداد حاصل ہیں۔

آپ نے ۱۸۴۳ء سے ۱۸۴۶ء تک باقاعدہ پیمانہ کی ادارت فرمائی اس کے بعد ۱۸۴۶ء میں مستقبل (رسالہ) کو ایڈیٹ کیا۔ اس کے بعد ۱۸۴۹ء میں علی گڑھ نیچ (مذاہب) اخبار کے فرائض ادارت انجام دیے۔ اور آخر میں ۱۸۴۹ء و ۱۸۵۰ء میں مطلق سیاسی و ادبی اخبار استقلال کی ادارت فرمائی جو بالآخر پریس آرٹوینس کے سلسلے میں بند ہو گیا۔

ہر چند کہ آپ کو آپ کی قومی خصوصیت یعنی مشتعل طبعی سے معافی نہیں کہا جاسکتا لیکن آپ طبیعت کے صاف و سادہ نیک خلیق عقیق طور پر خود دار۔

مغنتی اور محبتی لہجوان ہیں۔ مٹی سسٹے سے مکرر ادارت بہانہ کی خدمت انجام
لے رہے ہیں۔

غزل

اب نہ دیں تکلیف یا ران سرِ ساحل مجھے
تو نے کیوں کمبخت لٹوایا سرِ محفل مجھے
اوس مئے اس انداز سے دیکھا سرِ محفل مجھے
لے تو جائے شوق سے آزادی کا ل مجھے
گم ہوا جانا ہوں ہر شے میں بنیرا تیار
کیا اسی کو میں سمجھ لوں حاصل کُٹنگی
نذر کروں تیری نظروں کو دلوں کی کائنات
روح میری رنگِ غربت بن کے شاید لنگی
المدد لے اشکِ خونیں لے نگاہِ واپس
اپنی محرومی پہ گردابِ بلا ماتم کرے
میں کہ اک تاباں حقیقت تھا تھے انوار کی
کعبہ چپ بتخانہ چپ میخانہ چپ پیرانہ چپ
کیا سناے کو ہے یہ خاموشی محفل مجھے

یاد آ رہا ہے جوانی کا وہ عہد ز رنکار
پھر سنا اک مرتبہ سا غرورِ حدیث دل مجھے



۳۰۔ سحر۔ بنگرامی

شعبہ دیال نام، دانشی، پر بھو دیال کے صاحبزادے کا لیٹھہ دقانون گوا اور خط مردم خیز بنگرام کے ایک ممتاز فاندان کے فرد ہیں۔

آپ ۱۸۹۹ء میں اپنے وطن مالوت میں پیدا ہوئے، اردو فارسی کی تعلیم حسب دستور قدیم گھر پر ہوئی اور ایس مارل۔ سی ٹیک انگریزی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول ہروئی میں، پاک پٹیالہ بایو کیمکس اینڈ ڈیمو سٹریک کارنج لاہور سے ایم۔ بی۔ ایم کی سند حاصل کی۔ مردیا اخلاق و متواضع ہیں۔ گودیر آستانہ ہیں۔ مگر خلوص کی دولت سے مالا مال ہیں۔

شعر نہایت غور و فکر سے کہتے، جذبات و احساسات کو لطیف ترین انداز میں نظم کرتے اور عاشقانہ و سطحی مضامین سے مجتنب رہتے ہیں حضرت وحشی کابنوری سے مشورہ لیتے ہیں۔ نقد و نظر کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ ”جام جہاں نما“ لکھنؤ میں یہ عنوان ”لکھنؤ کا ذوق شعری“ مسلسل مضامین شایع کر رہے ہیں جو اس مذاق کا آئینہ ہے۔

”جام ساتی کوثر نمبر“ بابہ ۱۳۹۰ء میں آپ کے متعلق ان رشحات ہی کام لیا گیا ہے۔

”از دو ادب میں آپ کے تنقیدی مضامین اور غزلیں خاص وقعت و امتیاز رکھتی ہیں طبیعت نقاد و شوخ ادب پر کثرت پائی ہے۔

دماخود از حالات نوشتہ عارف کابنوری،

غزل

اس نے اس انداز سے دیکھا سرِ محفل مجھے
جان استقلال کر دے اضطرابِ دل مجھے
وہ بھی کیا دن تھے کہ حاصل تھا سکونِ دل مجھے
گوشہ گوشہ بزمِ وحدتِ ذرہ ذرہ غرقِ نور
حسن ہی خود کارِ فرما عشق کے پرے میں ہی
اور یہی کچھ کہہ رہا ہے ان کا اندازِ نظر
المدد لے حسن کا دل پھونگم کر دے کہیں
تیرا جلوہ یا فقط حسنِ تخیل ہے مرا
کاش موجِ بحرِ غم اس طرح اُٹھے جھوم کر
دہر کی رنگینیاں میرے لئے بیکار ہیں
یاد آیا ہے کہ جب تھی میری ہستی بے نیاز
ذوقِ خود واری کے قرباں جذبِ دل کے کنار
میں جسے چاہوں سمجھو وہ مجھ سے لپڑہ کرے

کر لیا اپنی نگاہِ ناز کے تابلِ مجھے
دیکھنا ہے قوتِ برہم کنِ محفلِ مجھے
کوئی بھی مشکل نظر آتی نہ تھی مشکل مجھے
منزلِ مقصد نظر آتی ہے ہر منزلِ مجھے
ورنہ یوں مجبور کر دیتا نہ میرا دل مجھے
دیکھ غمِ مندہ نہ کرنا اضطرابِ دل مجھے
یہ فریبِ آرزو رنگینیِ باطلِ مجھے
دیکھنا ہے آج اٹھا کر پردہ محفلِ مجھے
غرقِ یادِ یار کر دے اضطرابِ دل مجھے
محوِ حسنِ غم ہوں کیا آرائشِ محفلِ مجھے
چاہے اب جو کچھ بنا دے آرزوئے دل مجھے
لہ ہی جائے گی کبھی آزادیِ کاملِ مجھے
صاف زحمت ہے طلسمِ ہستیِ باطلِ مجھے

۳۱۔ ستورہ - میرٹھی

پھر پریشاں کر رہی ہے آرزوِ دل مجھے
نیم باز آنکھوں کو ہے شاید کسی کا انتظار
پھر نظر آتا نہیں خبرِ کیفِ قاتلِ مجھے
نیند کیوں آتی نہیں اے اضطرابِ دلِ مجھے

کس قدر مشق تصور پڑھ گئی ہے عشق میں
دیکھتا ہوں جب کسی کو میں لباسِ حسن میں
کیوں بلا تے ہیں مجھ وہ محض اغیار میں
دیکھنا نیرنگیاں اس عشق بے ہنگام کی
کیوں نہ بن جائے وہ سیرت میں رشکِ سماں
نام رہ جائے زمانہ میں تمھارے حسن کا
زندگی عشق کی اسے سونہریاں و زاد ہر

کھر میں بیٹھے ہی نظر آنے لگی منزل مجھے
یاد آتا ہے فسانہ طور کا اے دل مجھے
کیا سنائیں گے وہی پھر قصہ باطل مجھے
دھونڈتا پھرتا ہوں میں منزل کو اور منزل مجھے
جاں سے پیاری ہے زین کو چہ قاتل مجھے
کاش نہ ڈوبے ایم الفت میں میرا دل مجھے
ایک سچکی نے اجل کی کر دیا غافل مجھے

۳۲۔ سید میں پوری

ناز نے کشتہ کیا انداز نے بسمل مجھے
جس بگدلت سے اٹھوایا سر محض مجھے
تھا وہی ہتھوڑ جس کو میں نے کعبہ کہہ دیا
کیسی فریاد و بکا اور نالہ و شیون کہاں
دیکھ اجب چشمِ حقیقت سے تو راز افشا ہوا
پھر کسی کی یاد نے تر دیا دیا مانند برق
سینکڑوں ہی حسرتیں میں لاکھوں ہی اربابیں
یہ رسائی غیر حکم کو چہ دلدار تک
یتیم ابرویہ خراگ زین تن میں آپ کے
کیوں لگاتے مجھ یہ ہوا الزام الفت کہا خطا

ہر ادا جاتاں کی میرے ہو گئی قاتل مجھے
پھر اسی جانب لئے جاتا ہے میرا دل مجھے
کس قدر تیری محبت نے کیا غافل مجھے
اب تو کچھ کرنے نہیں دیتا ہو درد دل مجھے
یہ بڑی دنیا نظر آتی ہے اک منزل مجھے
بیٹھے بیٹھے ہو گیا اضطراب دل مجھے
اور تیرے عشق میں کیا ہو گیا حاصل مجھے
پھر کہاں کھینچے لئے باتا ہو میرا دل مجھے
چاہو مجھ کو قتل کر دیا کرو گھاسل مجھے
سورہ قرآن تو دیکھو پھر کرو قایل مجھے

کیا ٹھکانا ہے محبت کا کہاں کس جا نہیں
بار عصیاں نے کیا ہے قلم تو بے غرق
ہجر کی سختی سے گھبراؤں میں وہ عاشق نہیں
خود بخود جلنے ہوئے جا نہیں خدا کرتے ہوئے
جاں بچا کر ان بتوں سے حق پر قرباں ہو گیا
یوں کہا کرتی ہے دنیا تمہیں عاقل مجھے

۳۳۔ سیما بکبر آبادی

نوٹ: حالات صفحہ ۵۵ پر ملاحظہ ہوں۔

آپ نے بھی کہہ دیا سودا کی محفل مجھے
جب ازل میں دل ملا کوئین کا حاصل مجھے
پھر سجانی ہے دل برباد کی محفل مجھے
دے نہ دھوکے اب طلسم جلوہ باطل مجھے
ہے پوچھنا جلوہ گاہ ناز تک مشکل مجھے
تھی مشیت ہی خلاف عشق ورنہ خلقتاً
آنسوؤں میں جوش بہہ رہی سو اک طوفان ہے
نفس پر وانیہ جسے کہتے ہو میرا دل نہ ہو
رقص فرماں میں ہزاروں طور لاکھوں تجلیاں
تو خدا پر چوڑ دے کشتی تو خود لے نا خدا
ہوش کی دنیا جہاں خواب بن کر رہ گئی
بیخود ہی کچھ شے گئی ہواں کے جلوؤں کا بیتہ

اب کہاں ہے ہمت عرض متاع دل مجھے
شور برپا ہو گیا اک دل مجھے اک دل مجھے
ایک تصور چاہئے تصویر کے قابل مجھے
دور پہنچا دو رے پہنچا مذاق دل مجھے
بر نظر ہے ایک جادہ۔ ہر قدم منزل مجھے
آسمان کو داغ دل ملتا مہر کا دل مجھے
پھر ڈوبنے آئے ہیں کیا مردم ساحل مجھے
دیکھ لینے دو ذرا خاکستر محفل مجھے
کون لے آیا فریب جلوہ گاہ دل مجھے
آئے لینے کے لئے طوفان تک ساحل مجھے
اک نظر ہنستی ہوئی سی کر گئی غافل مجھے
آج خلوت میں الٹنا ہی نقاب دل مجھے

پہلے و نشتر و دی، مجھ پر اس کی نوبت کیسے
 عثر بھر کو دیدیا زندانِ آب و گل مجھے
 پھر تیری محفل میں دو و جام مجھ تک آئیگا
 ہے ابھی تو اعتبارِ گردش محفل مجھے
 اضطرابِ دل سولے سیلابِ یوں طغوا نہیں
 کچھ سمجھ کر ہی دیابتِ اضطرابِ دل مجھے

۳۳۔ شاد۔ دہریہ سرن میں پوری اسبجج بھو پال

خود بنا کر شوق کے لا تھوں سراپا دل مجھے
 چشمِ نامحرم نے آخر کہ لیا حائل مجھے
 اور کیا ہوگا عطا اسے یوں دمی دل مجھے
 جب تھیں حائل سے وہ بھی تو نہیں ناسل مجھے
 ہے فریبِ چشم سے بڑھ کر فریبِ دل مجھے
 میں ہی آتا ہوں نظرِ درپردہ محل مجھے
 لے محبت اور کرنا تھا ابھی غافل مجھے
 کچھ نہ کچھ باقی ہے احساسِ حق و باطل مجھے
 کیوں ستائے آئی ہے خود بینی کا دل مجھے
 یوں تو دنیا کی نظر میں عبرت محفل ہوں میں
 دل ہی آتا ہے اضطرابِ ماسولے دل مجھے
 چھا گئی سائے زمانے پر نگاہِ باز گشت
 تم اگر چاہو بنا دو رونقِ محفل مجھے
 دور رکھا ہے کسی نے یہ بھی لطفِ خاص ہے
 اب کہاں لہجے کی لے جستجوئے دل مجھے
 سننے والا کون ہے غمہ کہیں سے چھپڑیں
 چھوڑے میری جگہ لے رونقِ محفل مجھے
 میرے تیرے درمیاں یہ بھی تعین کیوں ہو
 ساز دل تجھ کو بنایا ہے صلے دل مجھے
 سیکڑوں سہل تھے لیکن سچ بتا ضبطِ فدا
 اب محبت بھی نظر آنے لگی فاعل مجھے
 شاد ہوگا جس کو مشکلِ عشق کی آسان ہے
 مجھ میں کیا دیکھا کہ قاتل کہ اٹھا قاتل مجھے
 راہ اندر راہ تھی منزل پس منزل مجھے



۳۵۔ شائق۔ فرخ آبادی

بھگوت نرائین نام، ذاب بھگوت نرائین مشہور، بابور و پٹنہ میں
صاحب ایم۔ اے ڈیپٹی کلکٹر آبنجانی کے فرزند کا ریتھ اور فرخ آباد کے باشندے ہیں
آپ مارچ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے دواڑہ سالگی میں باپ کا سایہ سر
اٹھ گیا، دورانہش اور زمانہ شناس دادی نے اپنے دامن عاطفت
میں تربیت کیا۔ بارہ ہزار روپیہ کی رقم خود ڈیپٹی صاحب آبنجانی کی رحلت
پر ہیہ کمپنی سے ملی وہ زاد تعلیم و پرورش بنی۔

اولیٰ عمر میں ۴ سال تک آپ کو فارسی پڑھائی گئی۔ پھر انگریزی مدرسہ میں
داخل کرایا گیا۔ اقلیدس کی پیچیدگیوں نے برعاشہ خاطر کر دیا۔ اور نوین درجہ
سے ترک تعلیم کیا۔ انگریزی کھیلوں میں ہمیشہ بہت دلچسپی لیتے رہے اور شطرنج
میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ ”فرخ آباد شطرنج ٹورنامنٹ“ میں تمغہ اولیٰ حاصل کیا۔
۱۹۱۶ء میں فن موسیقی کے دوش بدوش شعر گوئی کا ذوق پیدا ہوا۔ اور
بسم اہد کردی۔ ۱۹۱۷ء سے منشی کشموری لال صاحب قمر لکھنؤی سے
اصلاح لینا شروع کی۔ اور تکمیل فن کے لئے علم العروض والقوافی سے آگاہی
حاصل کی۔

چند سال ہوئے آپ کے استاد نے اپنے تلامذہ کو دو مصرعے۔ مصرعے
لگانے کے لئے چئے۔ اور جب کوئی صاحب مصرعے نہ لگا سکے تو آپ سے
ارشاد کیا۔ آپ نے ان مصرعوں پر فی الہدیہ مصرعے لکھا دیئے جو ذیل میں منج میں

عطا کردہ ہونے پر شکر آیا سکوں گا ورنہ قلب ارا میں
 قہمے جس وقت ہیبت ناک لے تیرو حشر کے چھینے
 یہ ہے تاثیر بعد دفن میر سوز پہناں میں

حضرت قمر نے آپ کو بہت داد دی اور دوسرے روز مشاعرہ فتح گڑھ میں
 اعلان کر دیا "میری عدم موجودگی میں دیگر تلامذہ شائق سے مشورہ لے لیا کریں"
 دینکے شاعری کی رسم قدیم کے موافق بعض لوگوں کو یہ اعلان گراں گزرا تاہم
 شائق صاحب کو فن مصوری کے حصول کا بے حد شوق ہے اور ہمہ تن اسی کی تکمیل
 میں مصروف رہتے ہیں۔

غزل

تیغ قاتل نے شہیدوں میں کیا شامل مجھے
 ہر نگاہ ناز تیری کر گئی بس مجھے
 لے بے تو عشق مجزی کی ہوئی یہ انتہا
 ناز سے کہتے ہیں وہ رکھ کر سینے پہ لاکھ
 ناوک جاناں ہوئے کچھ اس طرح جزو بدن
 دل سمجھتا تھا جسے میں اس نے کی پہلو تہی
 زیر تربت بھی دہریا بیتابیاں ہیں ات دن
 کس پہ کس پہ خون کا دعویٰ کرونگا حشر میں
 جس جگہ اس کا خیال آیا وہیں سجدہ کیا
 بحر غم میں کشتی دل غرق ہونے ہی کو تھی
 ہو گئی مٹ کر حیات جاوداں حاصل مجھے
 اب نہ کر منت کش دستا بل قاتل مجھے
 جذبہ عشق حقیقی ہو گیا حاصل مجھے
 اب دکھا اپنا ترپنا اے دل بس مجھے
 اپنے سینے میں نظر آتے ہیں لاکھوں دل مجھے
 جس کو میں دلدار سمجھا ہو گیا قاتل مجھے
 چین سے سوئے دے اتو اے دل بس مجھے
 ہر ادائے دلتوازی ہو گئی قاتل مجھے
 ہر جگہ ذوق تصویریں ہوئی منزل مجھے
 لے لگیں موجیں ہمارے جانب ساحل مجھے

پی لیا جام شہادت پہلی منزل طے ہوئی قبر کے اندر ملے گی دوسری منزل مجھے
 کیا کرو گے میری ہستی کی حقیقت بوجھ کر سمجھو اک تصویر سوز و آہ و آب و گل مجھے
 میں تھکا ماندہ جو سستائے کو جا بیٹھا وہاں آستانِ ناز شائق ہو گیا منزل مجھے

۱۲۹۱ شبیر چھپرا موی

غلام شبیر نام، میر وارث علی کے صاحبزادے، سادات
 شیعہ اور خاندان اطہا چھپرا موضع فرخ آباد سے ہیں۔
 طبابت، شاعری اور علمی و ادبی میں آپ کا خاندان
 ہمیشہ سے اس فوج میں ممتاز ترین رہا ہے آپ ہی کے
 مورث اعلیٰ کے کتب خانہ سے حالات حاصل کر کے
 تالیف فرخ آباد "منجانب حکومت اردو اور انگریزی
 زبانوں میں شائع کی گئی ہے جس میں آپ کے
 خاندان کی بھی واقعی ستار و صفت موجود ہے۔
 شبیر صاحب ۱۲۹۱ھ میں رجب آپ کی
 تاریخِ محی نام "اصغر" سے مستخرج ہوتا ہے
 اپنے وطن مالوت میں پیدا ہوئے۔

آپ اردو ڈل کا امتحان پاس
 ہیں۔ آپنے اوائل عمر ہی سے شاعری
 شروع کر دی تھی۔ جس میں آپ کو

اپنے غم بزرگوار مر لو، وسید محمد علی صاحب دبیج دیکھو، راتیں راتیں تیار
چھرا سو سے تلخ حاصل ہے۔ قذیح میں سوال نویسی کرتے ہیں۔

نہایت

منزل

یونہی ہے۔ کچھ نہیں معلوم ہے منزل مجھے
آئینہ پیش نظر ہے۔ یا الہی خیر ہو
راہ کٹنے کو کٹی۔ لیکن عجب انداز ہے
غرق ہونا ہے اگر ہو جائے کشتی عمر کی
خون کی دھاریں نکل کر رہی ہیں یصدا
ذبح ہونے میں مزا گردن کٹانی میں سے بھٹ
ہمنشینوں کے گلیجوں میں بھی دھکے لگ گئے
دیکھتے ہی دیکھتے وعدے تمہارے رہ گئے
ہاتھ دکھلا کر انھوں نے قتل کر ڈالا مجھے
نقش پائے ضعف ہو گیا مرا کوچ و مقام
ایک ہو اس کو کموں یاں دل کے لینے کیلئے

جارا ہو رہا پلکا ہے جس طرف کو دل مجھے
اب نظر آتی ہے ہر اک بات پر مشکل مجھے
خاک میں لائی ملا کر وہ سر منزل مجھے
آنکھیں دکھاتا ہے کیا رتہ کو سوا حل مجھے
او مرے قاتل میں شد چھوڑ مت بسمل مجھے
کیسے کیسے مشوے یہ دے رہا ہوں دل مجھے
کر دیا بیتاب ایسا تو نے شورِ دل مجھے
واہ وا کس شان سے تو نے کیا بسمل مجھے
ہو گیا خنجر بھی نشتر جو کف قاتل مجھے
تھک کے رہ جاؤں جہاں پر ہو ہی منزل مجھے
ہر او اے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے

جان بچ جائے اگر سبب میں ہے شکر خدا

ہر او اے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے



۳۷۔ شبیر فتحگڑھی

شبیر احمد نام، بابا ابو غفور علی کے صاحبزادے اور متوطن فتحگڑھ میں۔
 شبیر صاحب ۱۹۱۶ء میں بمقام فتحگڑھ پیدا ہوئے فرخ آباد میں انٹرنس تک
 تعلیم پائی اور بہار امتحان میں اولی نمبر پر کامیاب ہوئے۔ اب علیگڑھ کالج میں تعلیم
 پاسبی میں بہت ہی ذہین، طباع، اور روشن و طبع نوجوان ہیں۔
 فرخ آباد میں حیفظ نجفی مدثر محیب، فرخ آباد اور محمود علی خاں سابق صدر بلدیہ
 فرخ آباد کی ادبی محبتوں اور شاعرانہ مجلسوں کی مسلسل شرکت نے مذاق شاعری
 پیدا کیا۔ اور کسبی ہی سے اشعار موزوں کرنے لگے۔
 (اخوذاز حالات نوشتہ قمر بدایونی)

غزل

حشر کا میدان ہے بخشیں سکون دل مجھے
 راہ پرے تو چلا تھا جذبہ کامل مجھے
 اور بھی ہونا پڑا وارفتہ منزل مجھے
 میں شہید جستجو ہوں مجھ کو کیا منزل سے کام
 میری میتابی نہ تھی کیا لائق تعزیت قتل
 تیرا ہر جلوہ ہے اک نظارہ حیرت فروش
 خاک مقرر آئینہ ہے میرے جذب شوق کا
 وہ تری نظریں جنہوں نے کر دیا بسم مجھے
 شوق منزل نے کیا آوارہ منزل مجھے
 پیار کی نظروں سے دیکھا تو نے جب قائل مجھے
 ڈھونڈتی پھرتی ہی فرط شوق میں منزل مجھے
 کیوں مرے قائل نے سمجھا جم کے قائل مجھے
 درس از خود رنگی دینے لگا ہے دل مجھے
 ذرہ ذرہ میں نظر آتا ہے اب قائل مجھے

شیم نطاسی جلیسری

معین احمد نام، دانشی، انگریز، والد کے صاحبزادے متوطن جلیسہ ضلع ایٹھ ہیں
 شیم صاحب بخیر می ۱۹۰۷ء میں بنھام ایٹھ جہاں آپ کے والد سلسلہ ملازمت
 مقیم تھے، پیدا ہوئے۔ ۱۱ سال کی عمر سے مکتب میں اردو فارسی کی تعلیم پائی۔
 شیم کی پندرہ بہنیں تھیں، پندرہ بھائی تھے۔ کچھ انگریزی بھی پڑھی ہے۔ اب عدالتی وائی
 ایٹھ میں ملازم ہوئے۔

دورانِ تعلیم جلیسہ کے مشاعروں کی شرکت نے جو تفریحاً ہوتی تھی۔ جذبہ
 شاعری پیدا کیا۔ رفتہ رفتہ غزل کہنے لگے اور حضرت اختر فیروز آبادی کا لہذا اختیار
 کر لیا۔ اپنے کلام کا ایک مختصر مجموعہ بنام ”گلہائے شیم“ خود مرتب کیا کہ شایع
 کیا ہے۔ ایٹھ کے مشاعروں کی روح رواں ہیں۔

غزل

ایک یہی ہے نزع میں رسوائی قاتل مجھے
 دیکھتے ہی تجھ کو یہ کیا ہو گیا قاتل مجھے
 ہفتے ہفتے موت بنگر رہ گئیں بیتا بیاں
 جنتی جنت کو جنت جنتی کو چاہئے
 تو فریاد کیا کرتے تھے تھکے تھکے
 جہاں کہے تو نہ تو شہ میں ذلیل توں ہوں
 اب تو مرنا بھی نظر آنے لگا مشکل مجھے
 دل کو میں دتا ہوں اور دتا ہیرا دل مجھے
 ہوتے ہوتے ہو گیا ہاں کون دل مجھے
 میں تری مخلص کو دل جاؤں تری مخلص مجھے
 ورنہ مر جانا جدائی میں نہ تھا مشکل مجھے
 یا سمجھتے تھے فرشتے رونق مخلص مجھے

تھا جو آساں کام وہ بھی ہو گیا مشکل مجھے
ان کو کرتے ہیں عدو بد نام میرا دل مجھے
بھولا جاتا ہے سرخسٹرا تلی مجھے
ہر قدم پر سامنے تھی اک نئی منزل مجھے
بارشوائے گی یہ تیری سعی لا حاصل مجھے
قائدہ بلنہا ہے پونچا کر بسر منزل مجھے
کوئی ایسے میں بنا جاتا سراپا دل مجھے
یہ بھنور ہی اب کوئی دم میں بنا ساحل مجھے
ہر دوا معلوم ہوتی ہے سم قائل مجھے

یہ مری وقت پسندی ہے کہ قسمت کا لکھا
ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں حسن عشق
اب کہاں سے لاؤں دامن معنوں آلودہ تیغ
طے ہوئیں کن مشکلوں سے زندگہ کی منزلیں
غیر ممکن ہے رفوگر زخم الفت کا علاج
سونپ کو تربت کو واپس بلائے ہیں اقربا
نچ بٹ کچھ تیر تر کش میں ستم ایجا کے
اب پتھیروں سے ہوا میرا سفید بایش پاش
سوز الفت کو دوا سے غرض کیا ہے شمیم

۳۹۔ شمیم گوری (شیر سنگہ مقام گوری ڈاکخانہ گوہما گنج ضلع فریاداد)

بجوری کی منزلوں میں سمجھنے داخل مجھے
کون ہے ناؤں فکں کسٹ کیا حاصل مجھے
فصل سے اپنے تسلی کا دیکھا ساتا مجھے
کوئی منزل ہے تیری یہ تو ہلکے دل مجھے
دو قدم چلتا سنبھلتا ہو گیا مشکل مجھے
دل کی ہر حالت میں یار جانے شامل مجھے

مل گیا غفلت سا اب تو رہ برائے مجھے
ہو گیا شوار اتنا جاتا میرے لئے
یا خدا کم کرے بحر غم کی یہ طغیانیاں
کئے دیتا ہی نہیں جو دشت وشت میں قسم
ہورہ ہوں فرط غم سے آج کل اتنا ضعیف
سج سے اس کی ہوں غم کی روشنی شاد

لطف جاناں بھی ستم سے کم نہیں ہرگز شمیم
ہر دوائے دلوں کی ہو کئی قائل مجھے

۳۴۔ شہید ارغون آبادی دہلوی اور صادق متاعہ فرج آباد

اب نہ بیاے گا کوئی کلمہ منزل مجھے
پھر اُسی تھفل کی جانب لیچلا ہے دل مجھے
بھر شرم سے پار ہو جاؤں تو دیکھا جائیگا
جلوہ جاناں سے جب مجھ پر غشی طاری ہوئی
وہ اُلٹے ہیں سر نرم اپنے چہرے سے نقاب
کہتے ان کے تصور سے کہاں تک ساز باز
اپنی لیلیٰ کے لئے کچھ اس طرح میں مرٹا
آرزو دیدنے ڈالا امید و بیم میں
کاتب قسمت کو شاید دیکھنا تھی چھیر چھاڑ
کیوں کہتے افسوس ملتے ہو جفا کر نیکے بعد
الفت گیسو میں شیدادہ پریشانی ہوئی
بہزب دل سائل گیا ہے رہبر کال مجھے
ہر اداسے دلنوازی تھی جہاں قاتل مجھے
درس بیتابی نہ دے موج لب ساحل مجھے
ہوش میں لائی ہواے خنجر قاتل مجھے
اُٹھ آتے ہیں نظر سب پر وہ دل مجھے
وہی جو قسام ازل نے فکر لا حاصل مجھے
ذرہ ذرہ خاک دل کا ہو گیا ٹھل مجھے
زندگی کا ذکر کیا کرنا ہوا مشکل مجھے
حسن صورت ان کو بخشا اور درو دل مجھے
یہ خطا کس کی تھی جو سمجھا کسی قابل مجھے
کار آساں بھی نظر آتا ہے اب مشکل مجھے

۴۱۔ صبا۔ اکبر آبادی

خواجہ محمد امیر نام، ڈاکٹر خواجہ علی محمد کے صاحبزادے اور متوطن اگرہ ہیں
آپ کے جدا مجد خواجہ جان عالم مرحوم عہد اورنگ زیب میں عراق عرب سے
ہندوستان تشریف لاکر متوسلین دولت منیلہ کے زمرے میں شامل ہوئے
سپاہی پیشہ اور کمانداری کے منصب پر فائز تھے۔ سرکار شاہی سے صلہ خدا

میں جاگیر پائی تھی۔

صبا صاحب ۱۴ اگست ۱۹۰۸ء میں بمقام اکبر آباد آگرہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پانے اور کچھ عمری وفارسی تحصیل کرنے کے بعد چند سال کے لئے مشغلہ حصول علم کو ترک کیا اور ۱۹۲۲ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انٹرنس پاس کر کے وہیں ایف اے لے لیا۔ تعلیم پائی۔ اب آگرہ کے ایک ادبی رسالہ آزاد کی ادارت اور انجمن شباب اردو آگرہ کی اعزازی نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے دیوان غالب کی تصنیف میں مصروف ہیں۔

۱۹۲۱ء میں ارض تاج کی ادبی فضا نے ذوق شاعری پیدا کیا۔ ابتداءً غیور تخلص تھا ۱۹۲۲ء میں حضرت اختر اکبر آبادی دہلی کے دی اہند گو رئیس و میسجیل کشتہ آگرہ سے شرف تلمذ حاصل کرتے ہوئے تخلص تبدیل کر دیا۔ ہر صنف نظم میں مہارت ہے۔ مگر غزل گوئی علی الخصوص مرغوب طبع ہی مولانا کاشفہ قادری راوی ہیں ”صبا صاحب بھی شبایات ساغر نظامی کی طرح رباعیات کے ایک معقول مجموعہ کے مصنف ہیں

عہدہ حسب روایت ”مولانا کاشفہ قادری“

غزل

دُوبنے کے وقت ہر اک موج تھی ساں مجھے
مطمئن ہے حسن دیکر اضطراب دل مجھے
کوئی سمجھا ہے مری الفت کا مستقبل مجھے

یاس نے کیا کیا دکھائے جلوہ باطل مجھے
میں بھی نازاں ہوں کہ سمجھا تو کسی قابل مجھے
کچھ نظر آتا نہیں انجام کارِ دل مجھے

میں اسی قابل ہوں سمجھتا ہوں قابل ہے
 کس کے قدموں کی مولیٰ آہٹا قریب مجھے
 مسکرا کر تم نے کیوں دیکھا سر جھٹل مجھے
 چل رہا ہوں اور نہیں معلوم ہی منزل مجھے
 تھی جٹاک کلیوں کی اعلان شکست دل مجھے
 حسن والے عمر بھر سمجھا کئے سائل مجھے
 پھر وہیں لے کر چلی میری ہوا سے دل مجھے

ہرمانی کی نظر کیا نہ سہم کی تھکسیس کیا
 دیکھنے سے اسے مری امید وہ کیا تو نہیں
 میری خود زنجیری کا کس پہ انعام آئے تھا
 اک سہ ہو گیا ہے میری ہستی کا سفر
 بلخ میں جا کر جگر کے زخم تازہ ہو گئے
 عشق میں تیمور مری نظروں کے اند غنی
 باریابی لے لے ہٹا جس بزم میں ٹکون نہیں

۴۴۔ طیش - مارہروی

اب نہ ہوگا شتر تک نظارہ مست قابل مجھے
 تو نے سمجھا تو کسی لائق کسی قابل مجھے
 غم نے چھوڑا ہے کسی لائق کسی قابل مجھے
 جھٹکنا ہے آج جلتی آگ میں دل مجھے
 یاد کرتی ہے زمین کو چہ قابل مجھے
 دل کو میں داتا ہوں برسوں اور برسوں دل مجھے
 صبح کو کبھر سے ملے کچھ بارہے دل مجھے
 مل گیا تو ان تڑپتی بجلیوں میں دل مجھے
 پھر وہ کہتے ہیں سنا لے داستان دل مجھے
 نصرت ناصح لے لے گویا کر دیامتایل مجھے

جان جائے کا نہیں غم غم یہ جوت دل مجھے
 یہ کرم مجھ پر کہ دوزخ میں کیا داخل مجھے
 کیا کہے گا دیکھنے کا جب قابل مجھے
 آتش سوز دہروں بھڑکی ہو تو بھڑکے کچھ اور
 ذریعے قاتلے کو پلائے کہیں اب آکر امور
 آف وہ پچھلی سرگزشتیں ماے دوا غار عشق
 رات بھر میں آئے سب لالک لائے کیسا
 کھل گئی لو تہی نظروں کی شرارت کھل گئی
 پھر سنبھل کر اے زبان تصویر عبرت کھینچ دے
 چھو قابل ہو کے خوش خوش میٹھے میں شان سے

مفت پھر وہ بھی ہزار احسانِ منت پر خوش
تجھ سے سود کیا ہے کالا اٹھائے دل پہ تجھے
عشق کی رنگینوں کا جبر تو دیکھے کوئی
اک لہو کی بوند کو کہنا بڑا ہے دل پہ تجھے
رات بھر میں کیا خبر آہوں سے کتنے اڑ گئے
صبح کو بکھرے ملے کچھ پارہ ہا دل پہ تجھے
عشق کا گھر یہ سجاویں گے بہت اچھی طرح
ایک حسرت ہے نقد و کار و کار دل پہ تجھے
آخری منزل میں الفت کی قوم رکھتے ہیں طیش
چھوڑ دو نگاہ دل کو یہاں در چھوڑ دیکھا دل پہ تجھے

۴۳۔ ظفر۔ بدایونی

محمد ظفر احمد نام اور بدایوں کے شیوخ صدیقی سے ہیں۔ آپ کا سلیقہ ازبک
حضرت ابابکر صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتهی ہوتا ہے۔
آپ ۱۲ سال میں بمقام بدایوں پیدا ہوئے اور اردو فارسی درسیات کی
تحصیل سے فراغ پلنے اور اسکول کی مدارج تک مراحل طے کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی
کالج علی گڑھ میں زیر تعلیم اور کالج میگزین کے حصہ اردو کے سربراہ ہیں۔
اپنے خاندان کے علمی مشاغل کی مصروفیت اور خود طبعی مناسبت کی بنا پر سات
آٹھ سال سے شاعری کا شوق پیدا ہوا ہے حضرت رضی بدایونی سے نسبت تلمذ
حاصل ہے۔ گزشتہ سے پوسستہ سال انجمن ادب کی جانب سے ایڈیٹر ہیں۔
نظم کی تصنیف پر توجہ حاصل کر چکے ہیں۔

غزل

معدطرب زندگی سے ہوسکوں حاصل مجھے
ڈوبنے سے اب قریب سمیت ساحل مجھے

کام منزل سے نہ خبر باہر منزل مجھے
 میں فدا کے جلوہ معنی وہ صورت آستانہ
 شرح صد افسانہ فاطمہ ہے میری زندگی
 اب یہ عالم ہے کہ کٹ دیکر فریب طغیاریار
 اب نہیں خارِ تنہا کی وہ پہلی سی خلش
 بے جلا ہے ایک ذوقِ سعیِ لامحالہ مجھے
 شیخ کو کعبہ مبارک ہو حریمِ دل مجھے
 ہر نص ہے زائے سازِ شکستِ دل مجھے
 میں شبِ غمِ دل کو تسکینِ یوں ہوا، مجھے
 یاس نے کر دی ظفرِ آسان ہر مشکل مجھے

۴۴۔ تلخیص۔ علوی رہبرِ مشاعرہ فتح آباد

تلخیص الدین احمد نام اسید زین العابدین صاحب کے صاحبزادے، علوی سادات
 اعظم گروہ سے ہیں۔ ۱۹۰۷ء میں بمقام نیگو پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کے والد
 ماجد نے بسلسلہ ملازمت فتحگڑھ میں طرح سکونت ڈال دی تھی۔ اس لئے
 طالبِ علمی کا زمانہ وہیں گزرا۔ اور انٹرنس تک تعلیم ختم کرنے کے بعد ۱۹۱۸ء
 سے ۱۹۲۶ء تک مسلم یونیورسٹی میں تعلیم پاتے رہے۔ بی۔ اے۔ ایم۔ اے
 اور ایل۔ ایل۔ بی وہاں سے پاس کر کے فتحگڑھ میں وکالت شروع کی۔
 اور ۱۹۲۹ء میں مین پوری منتقل ہو آئے۔ اور پریکٹس کر رہے ہیں جمعیتِ تنظیم
 مین پوری کے رہنما کاروں کے سالار اعظم ہیں۔ اور سالہ مشاعرہ فتح آباد کے
 مدیر اعلیٰ۔

فارسی کی تعلیم ابتدائی عمر میں خانگی طور پر پائی تھی۔ اور اس قدر مناسبت اس
 زبان سے ہو گئی تھی کہ ایم۔ اے آپ نے فارسی ہی لے کر کیا۔ فارسی کے جذبات
 کالج کی ادبی فضا اور کثرتِ مطالعہ کلامِ متقدمین، متوسطین و متاخرین شعرائے

اردو نے کالج کی زندگی میں داخل ہوتے ہی اہل شعریت کر دیا تھا۔ اور گلبے
 ماہیے دو چار شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ پوری پوری غزلیں تصنیف کرنے
 لگے۔ مطالعہ کے زور اور طبعِ نکتہ چینی کے شور سے خود ہی نگاہ تنقید ڈالتے اور
 اپنی ہمدردی اپنے آپ کرتے رہے باقاعدہ ملحد کسی سے ماہل نہیں کیا۔ ماں جس
 پر اعتماد ہوا اس سے حسنِ قبح کے متعلق مشورہ کر کے بہ نفس نفیس درستی کلام
 کرتے رہے۔ نظمیں بھی بہت ہی پاکیزہ لکھ لیتے ہیں بحیثیت نثار کے بھی ایک ممتاز
 ہستی ہیں۔ قومی مشاغل اور پیشہ کی مصروفیتوں کی بنا پر نظم و نثر کی جانب بہمہ
 وجوہ مصروف ہیں۔ شاعری صرف مشاعروں اور شاعری محض احبابِ ارباب
 رسائل کی اٹل فرمائش تک محدود ہے۔

ایک سلیم الطبع، خوش برہم، سنجیدہ، خلیق، متواضع، بہادر ملک ملت
 اور صالح فوجان ہیں۔ میں پوری میں جن عزت کے دم سے جسدِ شعر و سخن میں
 روحِ تازہ پھونکتی رہتی ہے ان میں امتیاز نام لکھتے ہیں۔
 (از کلمہ قادری)

غزل

عشق میں کیوں کر سکون قلب ہو مائل مجھے
 شوق دیوانہ ہے دھوکے دیر ہے دل مجھے
 کچھ ازل ہی سے نہ سمجھا رحم کے قابل مجھے
 فکر منزل نے کیا آوارہ منزل مجھے
 اب تو مشکل بھی نظر آتی نہیں مشکل مجھے
 اب ہر منزل نظر آتی نہیں منزل مجھے
 دینے والے نے دیا ہی حشرِ سماں دل مجھے
 اب خدا جانے کہاں لیجا رہی دل مجھے

آنکھ کا سرمہ بنی ہے جب تیری خاک پا
 ہجر کی شب اور کیا ہو اس سے اچھا شکر
 بحر غم میں غرق ہو کر اک حیاتِ فانی
 جادہ مقصد سے فہر اک نکل آیا کہاں
 قبر میں باقی ہے کچھ کچھ وعدہ شہر کی یاد
 اشک ریزاں دیکھ کر خاکِ سبزِ دانہ پر
 وہ تری محمور آنکھیں تیرا حوشِ شباب
 جانتا ہوں میں کہ موت کی شام غمِ ہوا ج
 ہم نے بے پردہ جسے روزِ نازل دیکھا تلخ
 اک حیاتِ مستقل کا لطف ہر حال مجھے
 دل کو میں سمجھا رہا ہوں اور میرا دل مجھے
 اربابِ نظر آنے لگا ہر موج میں ساحل مجھے
 کر دیا ہے شوق نے وارفتہ منزل مجھے
 موت نے بخشا ہے اتنا تو سکون دل مجھے
 دیکھتی ہے غور سے شمع سرِ محفل مجھے
 یاد ہے اب تک تری رنگینی محفل مجھے
 کس لئے تسکس دینا چاہتا ہے دل مجھے
 وہ نظر آتا ہے اب زیرِ نقاب دل مجھے

۴۵۔ عاجر۔ عطائی پوری

احمد راز خاں نام ابجت بلند خاں کے صاحبزادے متوطن عطائی پور درخشاہ ہیں
 عاجر صاحب ۱۹۳۰ء میں اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر سے
 پڑھنا شروع کیا۔ اور پھر برائمری اسکول عطائی پور میں داخل ہوئے۔ کچھ دن
 اسکول کی تعلیم ترک کر کے خانگی طور پر عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ اسی دوران
 میں آپ کے والد ماجد نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔ اور کرمِ معاش نے قطعی ترک
 تعلیم پر مجبور کر دیا۔ بہر حال اپنے طور پر کتبِ عربیہ کے خاصی معلومات ہم پہنچائی
 ہے۔ آپ کو اوائل عمر ہی سے شعر و شاعری کا چوکا پڑ گیا تھا۔ ابتداءً جو کچھ کیا۔
 ضائع کیا۔ ۱۹۳۵ء سے باقاعدہ شاعری کی بنیاد پڑی اور حضرت لوحِ ناری

سے لے کر اختیار کیا۔ اصناف سخن پر قادر ہیں مگر عام طور پر نچری نظمیں اور دل کے
 درد قومی سے پر ہونے کے باعث خاص طور پر قومی نظمیں خوب خوب تصنیف
 کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سنا مو سومہ رفیق علم فرخ شریق اور
 خانوس نے اس کی یاد گار ہیں۔ صاحب دیوان ہیں۔ ”چمنستان“ آپ کے
 مجموعہ کلام کا انتخاب ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ ”خراغ مجلس“ اصل دیوان
 اور دہزار سے زیادہ ان کا پر عادی ہے۔ اس کی طباعت و اشاعت بوجہ
 قحط وقت ہے۔ شرمگاہ کا فائدہ ادا کرتے ہیں۔ اور ”سوانح شیخ جمجو“
 نامی سنان تصنیف کی ایک شہرہ آفاق ہے۔ بقول خود ”جو کچھ لکھتے ہیں۔ اچھا
 اور بہت اچھا ہوتا ہے۔“

غزل

جان دگر عشق کا رتبہ ہوا حاصل مجھے	کیا کہے گا میں وہاں بھی تمہارا دل مجھے
تازے زخمی کیا۔ انداز سے لیس مجھے	میرے قاتل کی ادائیں ہو گئیں قاتل مجھے
موت اگر آسانیاں پیدا کیے لے دو تو شوق	نہ ہو معلوم مشکل کوئی بھی مشکل مجھے
حربا ہوں فرط غم سے اور مر چکتا نہیں	عشق میں کیا لطف ہے لطف ہی حاصل مجھے
ہمنشیں کہہ کو جاؤں کس نہ بہر طواف	کیا عادت کو نہیں میرا حرم دل مجھے
میں پہنچ جاؤں گا اک دن منزل مقصود تک	شوق سے آنکھیں دکھائے دوری منزل مجھے
چاہتا ہوں میں نہ جاؤں کوچہ دلدار میں	چیں بھی لینے کے لیکن اضطراب دل مجھے
ہاں لگائے اور بھی تیغ ادا کیا ایک دار	نیم لیس کر کے تڑپا رہے کیوں قاتل مجھے

یا الہی ہو برا میرے، دل، بیتاب کا
 غرق ہو جاؤں نہ میں لے ماحولے بحر عشق
 حیف وہ تیغ ادا سے کہ کے زخمی چل دیا
 بخت دشمن۔ آسمان برگشتہ۔ عالم بربط
 مثل مجنوں پھر رہا ہوں دشتِ عشق میں
 جان تک میں نذر کرنے کے لئے تیار ہوں
 کیوں نہ عاجزِ برزین سخت کو پالی کریں
 اس نے شرمندہ کیا ان سے سرخس مجھے
 کھینچ کر موجوں سے پہنچائے سرسبز مجھے
 بھولنے ہی کی نہیں بے مری قاتل مجھے
 کوئے قاتل میں نظر آتے ہیں سب قاتل مجھے
 کیا عجب مل جائے کوئی لیسلی محل مجھے
 آپ سے بڑھ کر نہیں پیارا یہ میر دل مجھے
 فکر کمال ہو گئی دیائے بے ساحل مجھے

۴۶۔ عاشق ڈیائیوی

عاشق علی نام، ڈاکٹرِ ولایت علی صاحب مرحوم فوجی پیشتر کے صاحبزادے
 صدیقی شیخ، ڈبائی (ضلع بدایوں) کے باشندے اور وہاں کے رئیسِ زمیندار ہیں
 آپ ۱۸۹۵ء میں بمقام ڈبائی پیدا ہوئے۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے
 تھا ۱۹۱۲ء میں مولانا محمد اسماعیل صاحب قبیح سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور
 آپ ہی سے علومِ متعارفہ و فنونِ ادبیہ کو بایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ۱۹۲۵ء میں
 ”دوست کا ڈاکو“ نامی ناول تصنیف کیا جو خیالِ آفرینی، پروازِ تخیل
 اور نثر نگاری کی سند ہے۔ مشاعرہ ڈبائی میں جناب قاضی قاضی حسن
 صاحب رئیس ڈبائی نے آپ کو شستگی و خوبیِ کلام کے صلہ میں ایک
 تمغہ بھی عطا کیا تھا۔



غزل

رہ گذار عشق ہے خود رہبر منزل مجھے
 لے نہ جا کر کنی جانب سعی لا حاصل مجھے
 ارتقا سے زندگی جب ہو گئی حاصل مجھے
 چھیرتا ہے پھر مذاقِ درد و سوز دل مجھے
 جب میں چاہوں جذب کروں کلیوں کو طور کی
 بخود می عشق میں اتنا مجھے بھی یاد ہے
 ان سے وعدے کر کے آیا تھا جو بزمِ ناز میں
 آج محشر میں کہاں ہے وہ نگاہِ التفات
 ہر گز ریشہ میں لہراتی ہے برقِ منظر اب
 کب اُبھر سکتا ہوں میں طوفانِ بحر عشق سے
 منحصر و محو ہے میرے حشر کی تمہید بھی
 دیکھ لے نا آشنا سے رسمِ الفت اب تو دیکھ
 بچھک رہا ہوں میں تو عاشقِ ضبطِ سوزِ عشق سے

محو کر دیتی ہے اُسانی سے ہر مشکل مجھے
 پھر ہوئی جاتی ہے ہر منزل میں منزل مجھے
 موت بھی پھر تو نہ تھی کچھ موت کے قابل مجھے
 کھینچ پھراے فطرتِ تنظیم آب و گل مجھے
 وصلِ عریاں کے مزے برسوں میں حاصل مجھے
 اک جھلک سی تھی کہ جس نے کر دیا غافل مجھے
 ہو گئے مجملہٴ افسانہٴ باطل مجھے
 جن لیا تھا جس نے کل تقصیر کے قابل مجھے
 شوق نے تیرے بنایا ہے سراپا دل مجھے
 موجِ دریا بن گیا ہے خود لبِ ساحل مجھے
 کر دیا چپ ان کی حیرت نے سرِ محفل مجھے
 صد بلائے جاں ہوئی ہے ہستی باطل مجھے
 وہ سمجھتے ہیں چراغِ کشہٴ محفل مجھے

۴۷۔ عاصی۔ الہ آبادی

محمد عبدالباری نام، سید عبدالحی جعفری زینبی کے صاحبزائے، متوطن ملکاؤں۔
 پرگنہ جلیل۔ ضلع الہ آباد میں۔

عاصی صاحب ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک قرآن مجید اردو، ابتدائی کی باضابطہ تکمیل خواندگی کی۔ ۱۹۱۹ء میں مشن اسکول الہ آباد سے فرسٹ ڈویژن میں انٹرنس پاس کر کے ٹیلیگراف کالج میں داخل ہو گئے۔ دوسرے سال متاثرہ زندگی کی مالی دشواریوں کی وجہ سے مجبوراً سلسلہ تعلیم منقطع کر کے گورنمنٹ ہائی اسکول ہیر پور میں عارضی طور پر پھیر ہو گئے۔ جہاں سال کے آخر میں مسلم یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ مسلم یونیورسٹی میں ان سے پیشتر کسی نے بھی کوئی امتحان نہیں پاس کیا تھا۔ دوسرے سال ٹریننگ کالج آگرہ میں داخل ہوئے۔ امتحان میں، نام صوبہ میں اول آئے۔ اور جولائی ۱۹۲۳ء میں حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور نے مشاہیرہ یک صدر رویہ ماہانہ ان کی خدمات حاصل کر لیں۔ وہاں لائبریرین کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ۲۵ء میں آگرہ یونیورسٹی سے پرائیویٹ طور پر بی۔ اے کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اور کانپور سے مستعفی ہو کر لاکھ، بیچ الہ آباد میں نام لکھایا۔ لیکن والدین کے اصرار اور سید الطاف حسین صاحب میڈیٹر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاواہ کی محبت نے اسلامیہ اسکول اٹاواہ میں آنے پر مجبور کیا۔ جہاں اس وقت تک پڑھا ہے ہیں۔ ابتدائی سن شعور سے آپ کو شاعروں کا کلام پڑھنے، سننے، جمع کرنے، اور یاد رکھنے کا شوق تھا۔ چنانچہ اب بھی اس زمانہ کے یاد گئے ہوئے ہزار ہا اشعار دماغ میں محفوظ ہیں۔ الہ آباد کی تعلیم کے دوران میں مولانا سید الطہر حسین صاحب جعفری، ادیب کمال اور ماسٹر عابد مسیح صاحب آبادی۔ اے کی ہمت افزا اصلاح نے آپ کو نثر و اعراب دیا۔ حلقہ احباب میں شاعر مشہور ہونے کے بعد

تہی مشاعروں اور ادبی جلسوں میں شرکت ناگزیر ٹھہری۔ ذہن کی رسائی طبیعت کی موزونی، جو اس نو مشقی کے دور میں بھی موجود تھی۔ علی گڑھ میں مشقِ سخن جاری رکھنا ضروری تھا۔ افسوس وہاں قیام کا موقع ملا، مگر میر پور اور آگرہ کالج میں گاہے ہاں حسب ضرورت اس طرف توجہ کرتے رہے۔ لیکن غزل گوئی سے دل سیر ہو چکا تھا۔ اس لئے وقتی نظمیں اور تاریخی، علمی فلسفیانہ موشگافیوں سے اپنے جذبہ شاعری کو نمایاں کرتے رہے۔ یہاں قمار زمانہ سے متاثر ہو کر قومی و سیاسی مطالبات پر اظہارِ خیال کرتے رہے۔ کانپور آئے تو حضرت احسن سمبھتی مرحوم کے حلقہٴ ادب کے رکن بنے اور ان کے فیضِ صحبت سے پھر غزل کی طرف رجحان ہوا۔ مرحوم ادیب اور شاعر ہی نہ تھے۔ بہترین ادب آموز، نقاد فن، اور ادیب گرو تھے۔ پانچ سال تک آپ کو بھی اس شاعرِ نگار، مدیر زمانہ کے تلمذ کا شرف حاصل رہا۔ اس زمانہ میں مولانا حامد حسن صاحب قادری بکچر ایونی سے بھی استفادہ کا موقع ملا جو ملک کے مشہور انشا پرداز، مترجم اور شاعر ہیں اور آج کل آگرہ میں اردو ادب کے پروفیسر ہیں۔

غزل

حسن کی نیرنگیوں نے کر لیا مائل مجھے	اب تو جنت ہو گئی دنیا کے آب و گل مجھے
عقل کرتی ہے اسیر فکر مستقبل مجھے	زندگانی ہو نہ جائے سہی لا حاصل مجھے
ہاں نہ پھیرے اتیا زمانہ قص کا ل مجھے	بے حسی نے اب نہیں دکھا کسی قابل مجھے
عرصہ محشر میں ہے کچھ نرم جاناں کی جھلک	ن لگتی بعد فنا کھوئی ہوئی منزل مجھے

کچھ کو طوفان لے رہا تھا حلقہ آغوش میں
جب یہی قانونِ فطرت ہی یہی رازِ ازل
بے نیازِ خضر فیض بے خودی سے ہو گیا
تیرے قرباں لے سوا دِ شامِ غربت کی فضا
بے نیازی کو تری شاید یہی منظور ہے
اے دل دردِ آشنا لے اضطرابِ مستقل
مجھ کو لے عاصیِ ندامت ہو گئی دہرِ بخت

کیوں کیا اے ناخدا شرمندہ سہل مجھے
چہرے سے پھر دو گھڑی کیسا بیٹھنے لے دل مجھے
کھینچتی ہے خود بخود کس شوق سے منزل مجھے
یا وہی صبحِ وطن کی ہو گئی مشکل مجھے
حشر میں کرنا پرے اظہارِ درد دل مجھے
تیرے ہاتھوں لطفِ مہستی ہو گیا حاصل مجھے
ڈوبتے ہی ڈوبتے ہاتھ آگیا ساحل مجھے

۴۸۔ عاجزہ میں پوری (عبدالغنی خاں)

ہو گئی آسان پھر تو میری ہر مشکل مجھے
شکوہِ خنجر نہ کچھ ہے شکوہِ قاتل مجھے
حضرتِ دل کی بدولت سب ہیں یہ دشواریاں
کھینچ لایا دل مجھے بحرِ تلامحِ خیر سے
وہ بھی کیا منظر تھا خنجرِ حلق پر جس دم چلا
میرے سلجھائے سلجھتا ہی نہ تھا تارِ نفس
ہو گئیں ازادیاں جب مائلِ زنداں مری
اے شبِ ظلمت تری ظلمت نے دکھلایا یہ دن
انقلابِ دہر سے یا گردشِ تقدیر سے
مٹ گئی وہ حسرتِ دارماں کی دنیا مٹ گئی

بن گئی جب میری منزل رہبرِ منزل مجھے
خود مری شوقِ شہادت لے کیا بسل مجھے
ورنہ مشکل بھی نظر آتی نہ تھی مشکل مجھے
ناخدا نے میرے پونچا یا لب ساحل مجھے
خون کے ہر قطرہ میں آیا نظرِ قاتل مجھے
نزع کی ہچکلی نے کی آسان یہ مشکل مجھے
خود مری پابندیوں نے کر دیا داخل مجھے
دلِ غم دل بھی اب نظر آیا نہ کال مجھے
میری اب آسانیاں بھی ہو گئیں مشکل مجھے
وہ سماں اب ہاتھ آنے کا نہیں ای دل مجھے

دل بھی دھڑکے گا خزاں دل میں رومی عشق کے ہاتھوں لڑائی عشق کا حاصل مجھے

۴۹۔ عزیز سلوٹوی

عزیز تخلص، شیخ حبیب احمد صاحب کے صاحبزادے اور سلون (ضلع رائے بریلی) کے باشندے ہیں جو قدیم لالیام میں اہل علم کی بستی تھی۔ وہاں قریب قریب ہر علم و فن کی مشہور ہستیاں گزریں ہیں۔ اور گود پھیلی سی علمی جہل میں نہو مگر اب بھی ایک نمایاں با مذاق جگہ ہے۔

عزیز صاحب اوائل ۱۹۳۰ء میں اپنے وطن، لوف میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں سلسلہ تعلیم شروع ہوا۔ اردو کے علاوہ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم قصبہ منڈو کے پرامنے بزرگوں سے حاصل کی۔ قصبہ کے بڑے بڑے ذی علم حضرات کی صحبتوں میں جن کو ہمہ وقت گرم رہنے والی ادبی و علمی مجالس کھلنا بجا اور ناموزوں نہ ہوگا۔ وقت بیکار نہ رہا۔ انہیں صحبتوں نے آپ میں علم و زبان کا اعلیٰ ذائقہ پیدا کیا۔ اور آپ نے ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک کوچہ شعر و شاعری میں قدم رکھ دیا۔ اکثر غزلیں کہتے اور مخصوص احباب کو سنا کر چپکے ہو جاتے۔ کسی شاعر سے میں حاصل جگر کاوی کے خائوش کی ہمت نہ پڑتی۔ تین سال تک یہی کیفیت طاری رہی۔ ۱۹۴۱ء میں چند غزلیں حضرت مولانا شاہ محمد نسیم عطا خان نقیم رحمت و مجاہدین سلون کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیں۔ اور براے چمنے اصلاح لیتے رہے۔ لیکن طبیعت نامطلوب نہ ہوتی تھی۔ اس غیر اطمینانی کے متعلق خود آپ کا قول نقل کرنا زیادہ موزوں ہوگا جس سے ایک خاصہ امر یہ روشنی پڑتی ہے۔

یہ سب دیتا رہا ہر وقت میرا دل مجھے
اپنی جانب کھینچ لے گی بڑھنے کے خود فضل مجھے
ایک ہلو میں نظر آئے لگے سودا دل مجھے
دشتِ غربت میں نظر آئے لگے مہر دل مجھے
تو نے رہا کر دیا لے ہنرِ دل مجھے
آہ تڑپائے گی کب تک حسرتِ ساحل مجھے
انفاقِ اعلیٰ کیا کم کشتہ میرا دل مجھے
اب جو کچھ حاصل ہو الفت میں لگا کیا حاصل مجھے
جھانک لے کر ڈھ اٹھا کر پردہ تجلی مجھے
دل کو میں روتا ہوں یا روتا ہی میرا دل مجھے
دیکھتے آیتِ نظر کو بہ صورتِ سائن مجھے

فرطِ غم میں چاہئے پابندیِ آداب و غم
تا توانی میں رکھیں گے جب مرے پائے طلب
کیوں نہ میں مہنون ہوں تیغِ نگاہِ تازہ کا
مرحبا دلچسپی سچی تجھ سے مرحبا
تا توانی پر ہوا دھوکا کون قلب کا
بحرِ غم میں ہر نفس ہے ایک موجِ ہنرِ دل کا
کیا بتاؤں کب لگا کیونکر لگا کس سے ملا
یاس نے بیگانہ زوقِ توستا کر دیا
یہ سدا دیتا ہے ہر ذرہ غبارِ قیاس کا
کچھ پتہ چلتا نہیں اسے گریہ بے اختیار
کشتیِ عمرِ رواں ہے موجِ طوفانیِ غم کا

۵۰۔ غمِ نرینہ شہینچہوری

آج افسانہ پر نظر سے میں تکتا دل مجھے
گہرور، نہایت پریمِ مشرتازہ کی محفل مجھے
کر گیا تیغِ جانی سے کوئی بسمل مجھے
نوازشِ قسمت سے حوالہ جانتے کوئی کون مجھے
خیر میں آیا نظر لیلیٰ کا جب کہیں مجھے
غم سکے ہاتھوں سے بہتی ہوئی ہوئی مجھے

تو نے اد تیغِ فراقِ ابرو کیا بسمل مجھے
سوزِ غم سے جب ہوا دلِ مگر حاصل مجھے
خون کا تازہ نہ کھینک لے اپنے منہ پر میں ملوں
اپنے منہ سے درد کی اس سے میں استغاثہ کروں
یاد میں اس رشکِ لیلیٰ کے جگر تھرا آٹھا
دل جگر فرطِ اہم سے بید مجنون بن گیا

یاس کے دریا میں کھاتا ہو میں غوطے ہر گھڑی
میری وحشت کا رادل میں اگریں ہی قیام
مجھ کو نالوں سے محبت ہو نہ آہو سے ہر عشق
دل کی وحشت نے پنہانی پاؤں میں نچر غم
وحشت دل کی خطا کیا۔ درد دل کا کیا تصور
طور پر موسیٰ ہوئے بیہوش جلوہ دیکھ کر
اس مری فریاد کا ہو گا نتیجہ اور کیا
دیکھ کر میرے کلام درد آگس کو عزیز

اب نظر آتا نہیں اسید کا ساحل مجھے
ایک دن لیجائے گا سو بیا باں دل مجھے
بٹھنے دیتا نہیں خاموش میرا دل مجھے
دیکھئے رکھتا ہو کب تک قید میرا دل مجھے
وحشت کی جانب لئے جا تا ہے میرا دل مجھے
جلوہ حرک پسرنے کر دیا غافل مجھے
خاک میں اک دن ملائگاہ درد دل مجھے
اک زمانہ کہہ رہا ہے ثانی بیدل مجھے

۵۔ فرحت۔ شمس آبادی

سید فرحت حسین نام انواب فائزانی خطاب، انواب سید برکت حسین
برکت مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت موسیٰ کاظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے اس لئے مولوی اور شاہ صفی بار شاہ ایران
سے نسبت خاندانی رکھنے کے باعث (جو امام ہفتم کی اولاد سے تھے) صفوی
کہلاتے اور بطور لقب خود کو "موسوی الصفوی" تحریر فرماتے ہیں۔ آپ خاندان
نوابین شمس آباد دضلع فرخ آباد کے ایک رکن ہیں۔

فرحت صاحب ۱۰ شوال ۱۳۱۷ بروز جمعہ شمس آباد میں پیدا ہوئے۔

والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ جائے پراپنے جد امجد انواب سید محمد دلی خاں
عبادت انواب خان صاحب کے ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ اردو فارسی

اور طب کی تعلیم بھی نواب صاحب مدوح ہی سے حاصل کی۔ بقدر ضرورت انگریزی سے بھی واقف ہیں۔

شاعری آباد اجداد سے بطور میراث ملتا تھا آئی ہے۔ آپ کے بزرگوں کو اساتذہ مشاہیر سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ خود آپ نے ابتداً حضرت حاتمِ رامپوری (رحمہم اللہ) شرفِ خاں، تلمیذ حضرت اسیر لکھنوی کو اپنا کلام دکھلایا پھر اپنے بزرگوں میں سے ایک بزرگ نواب سید جعفر علی خاں صاحب جعفر (شاگرد رشید حضرت دبیر لکھنوی) سے اصلاح لیتے رہے جو اپنے عہد کے مشہور و بہترین تاریخ نگار تھے۔ اور موصوف کے انتقال کے بعد اپنے عم بزرگوار نواب سید اصغر حسین عرف لاڈلے صاحب المتخلص بہ واقف سے اصلاح یعنی شروع کی کبھی کبھی جناب لاکھنوری لال صاحب قمر لکھنوی سے بھی مشورہ کیا ہے۔ ان تمام حضرات کی صحبتوں اور اصلاحات نے آپ کے کلام کو تا بقدر اپنے اثرات سے بوجہ احسن متاثر بھی کیا ہے۔

غزل

کس طرف یہ بے چلی ہو آئے دل مجھے
داغ اٹھانے کے لئے یہ مل گیا ہوں مجھے
اب تو مرنا بھی نظر آنے لگا مشکل مجھے
پردہ مائے حشمت آتے ہیں نظرِ حائل مجھے
اپنے دیوانوں میں اس نے کر لیا داخل مجھے

ہائے ملنا عشق میں دشوار ہی منزل مجھے
کچھ نہیں پروردہ تیری اسے مہرِ کامل مجھے
الفتِ جاہاں میں بے زندگی دشوار تھی
تابِ نظارہ نگاہِ شوق سے ممکن نہیں
المدادِ وحشتِ دل کا اثر لے ہی اڑا

رشتہٴ حورو و ذاکر! داستانِ غم بینے
چارہ گز سوزِ جگر کا حال میں کیونکر کہوں
یہ کہ نامِ محبت کا یہی انجام تھا
زندگی و شہزاد اپنی کدوں نہ فرقت ہوئے تھے

ہاتھ آجائے کہیں جو خجرتِ ساقی مجھے
چین لینے ہی نہیں دیتا ہر در دل مجھے
کس طرف قاتلِ جفا تو پھوڑے بسمل مجھے
ڈوبتا ہوں اب نظر آتا نہیں ساحل مجھے

۴۵۔ فخر میرٹھی۔ (سید فخر الاسلام)

راحتیں اور دل کی بخشیں اور دردِ دل مجھے
میں ہوں بچہ ہے جہاں تعلیم کا وہ دل مجھے
جہم نہیں پاتی کہیں بھی یہ نگاہِ انتخاب
رکھ لیا دامن پہ سر بھی دیکے دامن کی ہوا
کچھ نشانی ہو کہ کشتہ بوں میں تیغِ ناز کا
ہے یہ پچھتا تا تو دنیا کی بدلوں دو زبان
آپ کا پڑھنا غزل لوگوں کی بیباک داد

یوں بھی خوش ہوں تم نے سمجھا تو کسی قاتل مجھے
اک نیا پیغام ہے ہر شورشِ محفل مجھے
چھوڑا بے امتیاز ناقصِ کامل مجھے
ہوش میں آنے لگے وہ دیکھ کر غافل مجھے
مرحمت بہر کف ہوا دامن و قاتل مجھے
لوگ بھی کہنے لگیں بسمل تمہیں قاتل مجھے
یاد ہے فخر وہ ہنگامِ محفل مجھے

۵۳۔ اٹا وہ (فخر احسن)

آفریں ہے کس صفائی سے کیا بسمل مجھے
ٹھوکر میں کھلوار ہے رہروں کی دل مجھے
ہوش اتنا تھا جنوں میں بھی نہ بھولا اسکی یاد
تیغِ ابرو تیر مڑگاں دشمنِ قلبِ جگر

دستِ نازک جوم لینے دے در قاتل مجھے
کرتی ہے ہموار گویا عشق کی منزل مجھے
پھر ہے نادانی کہ دیوانہ کہیں قاتل مجھے
ان جفا کاروں نے مل کے کر دیا بسمل مجھے

اس کے درپر لائی کیوں امید لا حاصل مجھے
اب وہ اپنی بزم میں کرنے لگے شامل مجھے
کر نہ دے مجبور کچھ کرنے کو درد دل مجھے
لائی اک امید پر ہے آرزو سے دل مجھے
کر دیا جوش محبت نے کد ہر مائل مجھے
تجھ سے کیا دو چار بھی ملتے نہیں جاہل مجھے
رخ نہیں کرتا سمجھ کر دل میں وہ سائل مجھے
کر گئی تصویر پشت آئینہ بسمل مجھے
فخر یہ انعام الفت میں ہوا حاصل مجھے

انتظار یار میں جس کو نہیں اتنی خبر
یہ دعا کا تھا سبب یارب کہ تاثیر نغاں
تم ستانے کو ستا لو لیکن اتنا سوچ لو
یہ مقدر ہے تمنا اپنی پوری ہو نہ ہو
عمر بھر روٹا پڑا دے کہ متاع دل نہیں
کیا ترے کہنے سے ناصح کوئی دہر چوڑوں
اس سٹگر کی سی تھی ایک ترکیب جفا
اس طرح کہنے لگا وہ دیکھ کر اپنا جہاں
جاں تشاری بر بھی میری غیر پروہ ہیں فدا

۵۴ - قابل نگلاوٹھی

تاریخ ولادت ۱۲ شوال ۱۳۲۵ھ یوم جمعہ قاضی منور حسین تاریخی نام عرف
سید رحیم الدکنیت ابوالفخر متوطن گلاوٹھی ضلع بلند شہر ہیں

ابتدائی تعلیم مکتب و مدرسہ سرکاری قصبہ گلاوٹھی میں پائی۔ قرآن شریف و
ابتدائی عربی کتب وار دو کی سند حاصل کرنے کے بعد انگریزی کی جانب رجوع
کیا۔ گورنمنٹ ہائی اسکول بلند شہر سے ۱۹۲۶ء میں انٹرنس سکند ڈویشن میں
پاس کیا۔ دوران تعلیم میں دو مرتبہ سرکاری وظائف و ایک مرتبہ لوکل ہسپتال شپ
بھی پایا۔ اسی دوران میں حضرت سید امام صاحب ایرانی النسل مجتہد العصر کی صحبت
نصیب ہوئی۔ اور تقریباً ساڑھے تین سال ان کی صحبت میں رہ کر اصول منطق

فلسفہ، نقشیات، علم الکلام و عروض وغیرہ کی تکمیل کی۔ اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب قنداکے زیر سایہ تصوف کے نکات سے آگاہی حاصل فرمائی حضرت سید امام صاحب کی سائنس میں سالہ تجربت نے فارسی بیدید میں بھی ہمارے پیدا کر دی۔ انگریزی، عربی، فارسی، علم ادب کی بلند پایہ کتب ہمیشہ مطالعہ کرتے رہے۔ اسی شوق میں ذاتی طور پر ایک کتب خانہ ترتیب دیا۔ جس میں اس وقت تقریباً پانچ سو عربی، فارسی، اردو، انگریزی ادب کی گرانتھ تصانیف موجود ہیں جن میں سے اکثر کئی کئی مرتبہ مطالعہ کر چکے ہیں۔ تالیف و تصنیف کا شوق دانگیر ہوا۔ تو فلسفہ نظر، کلید موسیقی، نکات تصوف، انکشاف رازا حدیث خودی، توحید کی امانت وغیرہ وغیرہ مختلف علوم میں تصنیف و تالیف کیں۔ مذاق سخنوری و سخن سنجی اپنے زاویہ نگاہ کو یوں واضح فرماتے ہیں۔

”شعر و شاعری سے فطرتی انس تھا۔ لیکن موجودہ معیار سخن سے اپنے زاویہ نگاہ کو مختلف رکھتا ہوں۔ اس وقت تک تقریباً چالیس ہزار یا اس سے بھی کچھ زیادہ شعر کہ چکا ہوں۔ لیکن ہنوز نگاہیں مطمئن نہیں اور بڑی بھینسی سے اس معیار تک رسائی کا خواہشمند ہوں جہاں نہ صرف قلب کو بلکہ روح کو تشفی نصیب ہو جائے۔ ”شاعری“ کو حقیقی معنی میں شغل تنہائی سمجھ ہوئے ہوں۔ اور حقیقت ناشناس دنیا کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس کے سامنے ان دل یاروں کو خاک میں ملائے جانے کے لئے پیش کیا جائے بلکہ بطفیل دیگر دیوانگیوں کے اپنے مجموعہ کلام کو بھی عالم نزع میں اپنی آنکھوں کے سامنے نذر آتش ہوتا دیکھ کر چارہ تسکین حاصل کرنے کی فکر میں ہوں۔ اور شعراے ماسبق میں میر و غالب

کو ترجیح دیتا ہوں اور ضرورت سے زیادہ غالب مرحوم کا معتقد ہوں۔ اکثر غالب کا یہ شعر زبان پر رہتا ہے۔

سہ بیا ورید گرایہ بجا بود زباندانے باغرب شہر سخناے گفقتی داروے
اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں۔

غزل

کہ دیا دلدادہ تو قیر آب و گل مجھے
بخشنے والے نے خود بخشنا ہے اپنا دل مجھے
دیکھ کر برگشتہ آسانی منزل مجھے
ذوق تکمیل فنا کا مل گیا حاصل مجھے
سعی حاصل دے بقدر سعی لا حاصل مجھے
جان کو درپردہ اپنے حسن پر مال مجھے
میش ہے راہ طلب میں اور اک مشکل مجھے
میری فطرت نے بتا کر ربط دین دل مجھے
پھر ٹی محشر میں فطرت آزما محفل مجھے
ڈھونڈتے ہیں امتیازات حق و باطل مجھے
جستجوئے مستقر ہے زیست کا حاصل مجھے
تیرگی ٹھہری نمود حسن کا حاصل مجھے
رنگ عالم کے دکھاتا ہے تماشے دل مجھے

عرش والوں نے بتا کر آپ کی منزل مجھے
دولت دارین سے صرف لب سائل مجھے
آج مانگے بھی نہیں دیتا کوئی مشکل مجھے
جرم ہستی برہی تعذیر آب و گل مجھے
نئے ہر اک ذرے میں یار اک نئی منزل مجھے
کر لیا کس نے گرفتار فریب دل مجھے
حد فاصل ہو گئی گرو سہ منزل مجھے
کر دیا خود دعوئے منصور کے قابل مجھے
حسن سے کتنا بڑی پھر داستان دل مجھے
کر گیا کیا چیز یار انقلاب دل مجھے
کچھ نہیں تیرے سوا رسم و رہ منزل مجھے
مل گئی ناکا میوں کی راہ میں منزل مجھے
ڈوبنے دیتی نہیں ہے خشکی ساحل مجھے

جب سدھاری چھوڑ کر ناکا ہی منزل میں تھے مجھیں خروینے کو آئیں تالاب ساحل مجھے
 کتنا وید اور ہے قابل انقلاب دل مجھے سانس بکیر کھینچتا ہے جذبہ منزل مجھے

۵۵۔ قاسم - کرہلی

غلام قاسم نام اپیر جی مشہور حاجی مولوی سید غوث علی صاحب پشتر تحصیلدار
 کے صاحبزادے، متوطن کرہلی میں، آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام خلیفہ مدنی کے
 توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک منتهی ہوتا ہے۔ نہ معلوم کن اسباب کے
 ماتحت آپ کے بزرگ غزنی اور دہاں سے ہجرت کر کے وار و ہندوستان
 ہوئے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ المعروف بہ دادا شیخ کمالؒ نے جو ایک صوفی
 منش صاحب باطن بزرگ تھے۔ موضع کمہری تحصیل کرہلی ضلع مین پوری،
 میں سکونت اختیار کی۔ اور وہیں مرحوم کا مزار مرجع انام ہے۔ عہد دولت برطانیہ
 میں آپ کے بزرگ معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔

قاسم صاحب ۱۲ شعبان ۱۲۹۶ھ کو اٹاواہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم انچو
 والد ماجد سے اور فارسی کی اعلیٰ کتابیں اپنے ماموں مولوی عظمت حسین صاحب
 سے کرہلی میں بڑھیں پھر تحصیل کرہلی میں عرائض و دلائق نویسی کا ہمیشہ اختیار
 کر لیا۔ اور دوران عرائض نویسی ۱۲۹۳ھ میں اردو ٹڈل کا امتحان پاس کیا۔
 ۱۲۹۵ھ میں امتحان مختاری میں شرکت کی ناکام رہے۔ شاہ حبیب حیدر صاحب
 قلندر کا کوردی کے مرید بزرگوں کے ترکہ قناعت پر قابض اور عرائض نویسی پر
 قانع ایک خوش گزراں و خوش اوقات مہستی ہیں۔ سرکار نے آپ کو معاملہ فہمی کی

نہاں آپ کو اس سببوں کے زمرے میں بھی داخل کر رکھا ہے۔ آپ کے چچا صاحب
 کا دیوان ”دیوان لطیف“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ کے والد ماجد بھی
 شاعر اور حضرت محسن کا کوردی مرحوم سے نسبت تلمذ رکھتے ہیں۔ بدین حثیت
 آپ موروثی شاعر اور ۲۵-۲۶ سال سے اس میدان میں ماہر ہیں۔ ابتداءً
 اپنے برادر معظم مولوی سید غلام کاظم صاحب سے رجن کا تعلق ملازمت یا مست
 رامپور سے تھا، اصلاح لیتے رہے پھر محمد تقی صاحب تلمیذ نواب داغ دہلوی
 مرحوم سے تلمذ اختیار کر لیا۔

غزل

دل کو لے کر چلے دے وہ چھوڑ کر بس مجھے
 دل کی دہڑکن بڑھ گئی محشر سا برپا ہو گیا
 بے خطا ہوں بیگناہ ہوں میں یہ چلتا مارا
 کام پورا کرتے جاؤ کچھ کمی ہے اے جناب
 دل کا آجانا یہ لایا اور اک آفت نئی
 قتل کرنا ہوا اگر عشاق کا مد نظر
 حسن کی دولت کا صدقہ کچھ عنایت کیجئے
 بحر عصیاں ممن زن ہے یا الہی خیر ہو
 دیکھنا اور مسکرا کر حال دل کا بوجھنا
 دق تیرا حیراں کیا کرتی ہے اکثر رات دن
 دل کے دینے کا نتیجہ یہ ہوا حاصل مجھے
 جھپٹتی جب وہ میری جانب جا کر سائل مجھے
 کر دیا تیرنگہ نے آپ کی گھاسل مجھے
 چھوڑنا اے جان جاں اچھا نہیں بس مجھے
 جان کا رہنا نظر آتا ہے اب مشکل مجھے
 صفت میں ان کی بیشتر کر لیجئے شامل مجھے
 بندہ پرورا اپنے در کا جان کر سائل مجھے
 اب کسی جانب نظر آتا نہیں ساحل مجھے
 یہ ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے
 اس لئے درکار ہے دل کی جگہ اک سل مجھے

جلوہ یادِ سرخِ جاناں سے لئے قاسمِ مدام نائنہ دل ہو گیا ہے یار کا محملِ مجھے

قاضی - شکوہ آبادی

محمد شہزادہ نام، ادا قاضی، محمد ارادت کے خلف اصغر شیخ صدیقی اور موطن
شکوہ آباد ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ قاضی کریم اللہ صاحب مرحوم کو شانِ منجلیہ
نے جاگیر عطا کر کے بڑے بڑے ہندوؤں پر ممتاز کیا تھا۔ منصبِ قضاے قہر میں
علیٰ انصہوص آپ کے بزرگوں کے سپرد رہا۔ اور ان میں سے اکثر حضرات عربی
و فارسی کے فاضل، خوشنویسی کے ماہر اور مذاقِ شاعری کے حامل تھے۔ آپ
کے والد ماجد ”ارادت“ ان تخلص کرتے اور جو کچھ فرماتے اس میں نعت کا جزو ^{لے} تھا۔

قاضی صاحب ۱۹ ستمبر ۱۹۱۰ء میں بمقامِ شکوہ آباد پیدا ہوئے۔ اور ابھی
اپنی عمر کی سات منزلیں ہی طے کرنے پائے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے
اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۹۱۵ء میں اردو مڈل
پاس کیا اس کے بعد دو سال تک انگریزی پڑھتے رہے آخر حوادثِ زمانہ اور
فقرِ معاش نے سلسلہ تعلیم قطعی ترک کر دیا۔ اور قریب قریب ایک سال تک
بارہ رسدِ اسلامیہ شکوہ آباد میں تعلیم کرتے رہے۔ آخر اس پیشہ کو مناسب طبع نہ پا کر
۱۹۲۷ء سے کسی وکیل کی محوری کر لی اور اب بھی مشغول ہیں۔ خوشخط آدمی ہیں۔

علمیوں تو خوشنویسی آپ کا خاندانی طرہ امتیاز ہے مگر ایک صاحب یہ معلوم کر کے تعجبِ حیرت ہوئی کہ آپ کی اور آپ کی برادرِ معظم ”نازک“
شکوہ آبادی کی شانِ خط میں امتیاز کرنا دشوار ہے درحقیقت جو حالات مجھے موصول ہوئے ہیں اگر ایک ہی صاحب کے تحریر کردہ نہیں
ہیں تو یہ روایات مالکِ مجھ سے۔

بزرگوں کے شاعر ہونے کے باعث شاعری داخلِ حرمت بنتے۔ اپنے برادرِ قاتل
نازک شکوہ آبادی تلمیذ حضرت احسن مارہروی سے مشورہ لیتے ہیں۔

غزل

کر گیا یا دوسرے قاتل افسوسؔ قاتل مجھے
جستجوئے تیری یارب کر دیا کال مجھے
گر تمہیں ارمان تھا تو ذبح کر دیتے ضرور
زندگی دشوار ہی جینے کا سامان ہی نہیں
میں تو سمجھا تھا اسے سامانِ عیشِ زندگی
آج حسرتِ میری پوری ہو گئی حسبِ دعا
در پہ آیا تو ہوں میں لیکن دیکھ مانگوں گا میں
تھا ہمارا رمان آسنے دم میں مشکل کر دیا
تم نہ آئے عمر بھریاں تاک کہ وقتِ نزع بھی
تھا تعجبِ بزم میں قاضی کا جانا یک سیک

کام جو آسان تھا وہ ہو گیا مشکل مجھے
اب تو جس کو دیکھتا ہوں ہر وی مشکل مجھے
اس سے کیا حاصل ہوا چھوڑا کیوں بھل مجھے
ہر اداسے دلتوازی ہو گئی قاتل مجھے
ہر اداسے دلتوازی ہو گئی قاتل مجھے
بچلا ہے جانبِ مقتل مرا قاتل مجھے
کیوں دفن کیا ہے میں تجھ پر جا کر سائل مجھے
آپ نے مشکل کیا اور ہو گیا مشکل مجھے
زندگی تو ہو چکی ہے موت بھی مشکل مجھے
میں تو ان کو دیکھتا تھا اور کل محفل مجھے

۵۷۔ مہر۔ مین پوری

کیوں کئے دیتے ہیں بیخود نعمتے دل مجھے
اب تو کراؤ آزاد اسے پابندی منزل مجھے
یہ سوز و ساز کیونکر ہو گیا حاصل مجھے
راحتِ آوارگی ہے میرا دردِ دل مجھے
ترجیٰ نظروں سے دماغ بھی کر دیا بھل مجھے

کیوں کئے دیتے ہیں بیخود نعمتے دل مجھے
اب تو کراؤ آزاد اسے پابندی منزل مجھے
یہ سوز و ساز کیونکر ہو گیا حاصل مجھے
راحتِ آوارگی ہے میرا دردِ دل مجھے
ترجیٰ نظروں سے دماغ بھی کر دیا بھل مجھے

کیا میں ڈھونڈوں کیا میں پاؤں پہنچتا ہوں
 پتلیاں پتھر کیس ہیں انتظارِ قتل میں
 جب مرا موجوں نے دیکھا انتہائی انتظار اب
 ہے یہی لے چارہ گر کچھ در فتن کا فرہ
 اس تنہا پر تڑپتا ہی رہا لاشہ مرا
 ڈوب جا اے کشتی امید تو بھی ڈوب جا
 چٹکیاں لے لیکے دل میں تیرے دروغ تو نے
 زیر سایہ حشر تک سوتا نہ اٹھتا پھر کبھی

ہو نہ ہو۔ فخر۔ پیرا یوٹی

محمد قراکھن نام۔ سلسلہ نسب پدری از شہری اور جمیدی شتاخوں سے گزرتا ہوا
 ثالث حسن بن جناب محمد بن حضرت ابو بکر صدیق اور سلسلہ نسب مادری
 دانشمندی کے خاندان سے گزرتا ہوا جناب عبد الرحمن بن حضرت صدیق اکبر
 رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

تاریخ پیدائش ہر صفر المنظر ۱۲۹۵ھ مطابق اپریل ۱۸۷۸ء اور ولادت بابلوں
 ہے۔ فارسی کی تکمیل اور کچھ عربی پڑھنے کے بعد انٹرنس کا انگریزی پر بھی کتب بینی
 کے سلسلہ میں ناول نویسی مضمون نگاری اور شاعری کا شوق و مانگمیر ہوا۔ ۱۹۰۲ء میں
 جناب مولانا حافظ محمد عبدالرحمن راسخ دہلوی کے نفاذ فخر حاصل کیا۔ شاہیر
 ہندوستان اور اساتذہ وقت سے میں۔ باوجود زبانوں کی مصاحبت سے نہ

اور امر کی قصیدہ خوانی سے محرز رہنے کے بھی کمال فن سنے۔ در معاش اور حصول
 ملازمت کا ذریعہ بن گیا۔ جس کی شکرگزاری کا ترجمان موصوف کا یہ مطلع ہے۔
 اب اور تم آخر امدت کیا مانگوں۔ عزت فی عطا کی بواسطہ مجھے ثمرت بھی
 رسالہ سود مند کے مدیر ہیں۔ اور علاوہ ان مضامین اور خوشی اقتصاد کی اسلامی
 دہ خلاقی نظموں کے جو مختلف اختیارات و رسائل میں شائع ہوتی رہیں تھیں
 نادان دوست، نرالا۔ انوکھا فلاسفر اور نظم میں مصور جذبات (دیوان اول)،
 آئینہ جذبات (دیوان دوم)، شانِ فاروق (فاسق اعظم کی نظم سوانح مہری)،
 مطبوعہ علی آثار میں ہیں۔ رہبرِ دیوان در قریع جذبات، نذر ترمب ہے اور چند
 فنی و سائنس کی کتابیں مثلاً محاورات، موزن، خیال، تحاورات، راسخ۔ رسالہ تالیف
 سچے سچے تخلیقی تصویر نگار اور غیر جم غفیر تالیفات ہیں۔

شہر

اس خوشی میں جان دینا بھی نہیں مشکل مجھے
 وعدہ فرما دے کر بھی ہیں تو کیا حال مجھے
 صنعت میں سیرِ ندیم پر دیکھ کر کمال مجھے
 کیا جواب اس کا کہ تم نے کیوں یا تھا دل مجھے
 موت میری قتل گاہ میں ماحول کر رہ گئی
 پھیر لیں آنکھیں خفا ہو کر یہ کیا غصہ ہوا
 سخت جانی کی بدولت اس قدر طعنہ سننے
 ساری دنیا آپ کو قاتل کہہ رہی ہے مجھے
 آنے جی جیتے ہی نہ تھے کھا خطر آپ کا، مجھے
 روک لیتا ہے خیال وہ ہی شہرِ دل مجھے
 ایک ہی فقرے میں اس شکر کیا قاتل مجھے
 نیم بس چھوڑ کر جب چند یا قاتل مجھے
 میں تو غصہ جب مجھنا غیر شیتے دل مجھے
 جان ہی تھے اب نظر آئے قاتل مجھے

الہدو لے تا آوا فی الہدو لے ضبط غم
 غم یہ دیکھا تو دنیا مرحلہ تھی راہ کا
 یہ وہ ہوں دل دیکھ میں نے تم کو دلبر کر دیا
 یہ وہی حالت ہے دشمن کی بھی جس پر رحم آئے
 زندگی دشوار کر کے - رنج میں تسکین دی
 جان کا دشمن کہا میں نے تو فرما نہ لگے
 شوق نے تو انتہائے یاس تک پہنچا دیا
 دل لگانے کا نتیجہ اور کیا ہو گا قصہ

وہ سمجھتے ہیں ابھی فریاد کے قابل مجھے
 میں یہ تبصرا تھا نظر آنے لگی منزل - مجھے
 تم وہ ہو دل لیکے مجھ سے کڑیا بیدل مجھے
 یعنی اب کروٹ بدلو آتا ہے درد دل مجھے
 اس کا یہ مطلب کہ اب مرنا بھی ہو مشکل مجھے
 اور تم نے کیا سمجھ کر ہے دیا تھا دل مجھے
 تو عدم تک لے چلے ناکامی منزل مجھے
 اب وہ میرے دل کو ترسانے لگے میرا دل مجھے

۵۹۔ کشتہ قادری

محمد عبداللطیف نظام کشتہ تخلص سلسلہ قادریہ میں بیعت ہونے کے باعث خود
 کو "قادری" لکھتے ہیں۔ منشی یعقوب علی خاں کے بیٹے اور یوسف ٹی پٹھان
 ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ رحمت خاں مرحوم شاہ عالم فرما کر اسے دولت منگیہ
 کے عہد میں ہرات سے دہلی پہونچ کر فوج خاصہ میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز اور
 "برچھیت بہادر" کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ چونکہ ذات و منصب کی جاگیر
 قصبہ بھونگاؤں زمین پوری میں پائی تھی۔ لہذا اسی کو اپنا وطن بنا لیا۔ آپ
 کے دادا صاحب عرصہ تک برسم تجارت مقیم آگرہ رہے۔ اور والد صاحب نے
 وہیں زمانہ ملازمت سرکاری بسر کیا لہذا ۴۰-۴۵ سال سے آپ کا خاندان
 آباد اکبر آباد ہے آپ کے حسبی آباد اجداد صاحب باطن ہونے کے علاوہ اپنے

زمانہ کے زیر دست فاضل اور ہندو تشریح علم و فضل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ و اولیاء
مغلیہ اور باستانائے موجودہ ہندو تشریح کے اکثر ابجکان میں پوری سہولت و سہولت
زائوسے شاکر دی تہ کیا۔ اور صلیبیں بڑی بڑی جاگیریں اور معافیات بائیں ہن
کے آثار اب بھی باقی ہیں۔

مولانا شہ ۱۳ دسمبر ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے نانا صاحب
کے پاس بھوپال میں ہوئی اور ان کے انتقال کے بعد مولانا احاج مولوی متیہ الاسلام
صاحب امام و رکن جامع آگرہ کے زیر نظر کیونکہ آپ کے والد ان کے بچہ مستعد ہیں
موصوفے آپ کو مشن لپیٹ بیٹے کے اپنے پاس رکھ کر تعلیم و تربیت کیا۔

آپ نے مدرسہ سینا ند (بھوپال)، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ الہیہ آگرہ میں
علوم عربیہ و فارسیہ کی تحصیل اور اوٹیل کالج رامپور میں گورنمنٹ کے مدرسہ ۱۹۱۷ء
میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی تہا فضل رانہ مران پریشین کی ڈگری حاصل کی۔
اسی سلسلہ میں آپ کا سلسلہ ملازمت شروع ہو گیا۔ اور آپ نے ۱۹۲۲ء تک
ڈکٹوریہ ہائی اسکول اور شعبہ محمدیہ ہائی اسکول آگرہ میں جمعیۃ تہا مولوی کے
باحسن وجہ کام کیا۔ ۱۹۲۲ء میں سرکاری ملازمت میں داخل ہو کر گورنمنٹ
ہائی اسکول بانڈا اور گورنمنٹ کالج جھانسی میں تعین ہوئے۔ دو سالہ تعیناتی
جھانسی آپ نے آخری دو سال تک انٹر میڈیٹ کے درجات کو بہت ہی قابل و
طریقہ پر ادا کر ڈالی۔ جولائی ۱۹۲۹ء سے گورنمنٹ ہائی اسکول میں پوری میں
معلم السنہ مشرقیہ ہیں۔

مولانا کو فارسی پر عبور کامل اور فارسی جدید سے کبھی تام ہے اور آپ نے

”جدید فارسی“ کا ایک مبسوط لغت بھی انگریزی ڈکشنریوں کے طرز پر ترتیب دیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ اردو کے ایک ذی مرتبت ادیب، مصنف اور شاعر ہیں۔ کثرت مطالعہ، مذاق سلیم اور ہمیشہ تحقیقاتی زندگی بسر کرنے کے باعث آپ کے تاریخی و تنقیدی مضامین، محاورات اور جرسہ و بر محل، شو تشکافیوں، کتابے، مثل وغیرہ ہوتے ہیں۔ زبان سلیس، شیریں، دلاویز اور اردو کے جدید و قدیم کا ایک خوشگوار مرکب ہوتی ہے۔ آپ کی رائے میں ”اردو کو“ اردو“ ہونا چاہیے۔ نہ عالمِ انسانیات ہند کا ”ہوا“

آپ حیات عزیز دسواں سرقاضی عزیز الدین احمد بالہاویہ وزیر اعظم دتیا اور تاریخِ تختِ طاؤس کے مصنف ہیں۔ پہلی کتاب جو مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع ہو چکی ہے موجودہ ترقی یافتہ طرزِ حیات نگاری کا آئینہ اور دوسری ”تختِ طاؤس شاہجہانی“ کے تاریخی حالات کے علاوہ مغلوں کے عہد میں ترقی فنونِ لطیفہ کا جامِ جاں نما اور ایک تاریخی انسائیکلو پیڈیا کا حکم رکھتی ہے اس کو گلاب سنگھ اینڈ سنس لاہور طبع کر رہے ہیں۔

کشتہ صاحب جب ۱۹۱۴ء میں دیوبند میں پڑھتے تھے وہاں اس زمانہ میں مدرسہ سے ملحق ایک عمارت موسومہ دیوانخانہ میں وحشی و مسیحائے تلامذہ امیرِ واعظ کے رفقاء مشاعرہ ہوتے تھے جس میں آپ نے بھی بکچی تمام شرکت کرتے ہوئے غزل، گستاخ و کروی اور فریاد کا کروی (پرو فیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی) سے جو اعلیٰ درجات میں پڑھتے اور اس جمعیت کے لیڈر تھے۔ جس میں مولانا شہید کاشمیری، کبھی کبھی مشورہ لیتے رہے پھر اگرہ میں جب شاہ

میکش اکبر آبادی کے یہاں مجلس ادبیہ قائم ہوئی تو اس کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہے لیکن نہ متوازن فکر سخن کرتے تھے اور نہ اس شعبہ میں ترقی خاص بد نظر تھی اس لئے کبھی اصلاح نہیں لی۔ مگر جب بحیثیت شاعر نگار کے شہرت حاصل کی اور ابی جلسوں اور مشاعروں میں بدحواسی اور شرکت کے لئے مجبور کئے جانے لگے تو کچھ عرصہ تک بالاستقلال فکر کرتے رہے اور اطمینان پس کے لئے حضرت آفتاب اکبر آبادی و حضرت شام اکبر آبادی سے چنانچہ اصلاح بھی لی۔ اب ایک مدت سے شرکت مشاعرہ جات سے مجتنب ہیں۔ تاہم احباب مجبور کر دیتے ہیں تو شریک ہو جاتے اور غزل بھی تصنیف کر دیتے ہیں۔ بہر حال شاعری مشغلہ نہیں اور نہ بنانا چاہتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں وہ بقول جگر مراد آبادی بہت سمجھ کر اور زیری رائے میں خوب۔

(از کے۔ ایچ عمر سدیقی۔ سی۔ ٹی۔)

غزل

ہاں تڑپ جائے تڑپنا دیکھ کر قاتل مجھے	بجلیاں لافے فدا راہ غلاب دل مجھے
ہے ازل سے جب تھوڑے کو بہ قاتل مجھے	زندگی میں چاہئے آرا مٹاؤ دل مجھے
کیوں ستائے آئے یادِ عشرتِ سائل مجھے	عزق کر دے کاش موجِ غلاب دل مجھے
زندگی کو میں سکونِ قلب پر کروں نثار	چین لینے دے جو بہاد تمنا دل مجھے
قلبِ حسرتِ آشنا، غزلِ محیطِ خودی	چھوڑ دے دم بھر کو تنہا تو میر سائل مجھے
خاکِ پروانوں کی اُڑتی۔۔۔ ہی ہی بزم میں	اور کیا دکھلائے دیکھوں گری محفل مجھے

ہو گیا ظاہر نال سوز غم افسوس ہر
 میرے خون شوق کے دھبوں پر پروہ ڈالتا
 جانتا ہے کیل مجھے نا آشنا ہے پھر غم
 خاک جنوں سے پیش تھے میرے اجزاء حیات
 عرصہ گاہ حشر طے کرنے کو رکھا ہے ابھی
 منزل کشتی غم تھی شورش موج فنا
 آشنا ہے بحر غم میں ڈبنے میں پر نجات
 میرے نالوں نے کیا شرمندہ محفل مجھے
 شرمیل رہوا نہ کر اسے دامن قاتل مجھے
 گھورتا ہے دور سے کیوں دیدہ ساحل مجھے
 روح نے حضور ہو کر کر دیا محفل مجھے
 لے اٹھانے دے قدم آسائش منزل مجھے
 عرق ہونے سے نظر آئے لگا ساحل مجھے
 موج نے سمجھا کشتہ کشتہ ساحل مجھے

۹۰۔ کلیم - ربابو گھر دیال فرج آباد

یہ تقاضا ہے دکھانے کو چہ قاتل مجھے
 ہو اسے تو فریق اتنی وہ کرے بسمل مجھے
 ذبح کے دم ہو کے برہم یہ کہا سفاک نے
 نگاہوں گرد اب بلا سے اپنی کوشش سے اگر
 لے دے مائیں دست باز و کو دان زخم سے
 اپنی لیل کی تمنائیں انا بسلی بنا
 دیکھ کر جلوہ ترا ہے جس ہے ہر عضو بدن
 تالیش رخسار سے آنکھیں بھی خیر ہو کیوں
 داغ کھائے اس قدر سر در جاغان گیا
 سے گی جاو دیال فیض صحبت سے لگو
 اک بلا سے ناگمانی ہو گیا ہے دل مجھے
 کھینچ کر لایا ہے جذبہ الفت قاتل مجھے
 گھورتا ہے زیر خنجر دیدہ بسمل مجھے
 پھینک دے گا قہر دریا میں دھیر ساحل مجھے
 نیم بسمل چھوڑ کیوں جاتا ہے او قاتل مجھے
 گرد باد کو بے جا اٹھا بن گیا محل مجھے
 اب نظر آتی ہے یہ سونی بھری محفل مجھے
 چھوٹے دیسی ہے ابھی گری محفل مجھے
 آہ کشت آرزو سے یہ ہوا حاصل مجھے
 بن گیا جلوہ ذوق اس کا چہرہ ابل مجھے

کچھ سکت باقی نہیں رہے ہیں یاد میں
 ایک یاد سہ پر خیر دل چاہتی کرتے ہیں
 دیکھ تو زور نقاہت کس قدر ہے جو
 دے فقیرانہ صدا دیدار ہو شاید نصیب
 اے کلیم ختم جاں میری بساط ایسوی ہو
 میراں آستا دہے اس نے کیا مل مجھے
 جب قدم میں نے اٹھایا ہو گئی منزل مجھے
 پیچیدوں میں چیر رہا ہند میرا دل مجھے
 ساتھ آئے سمجھ کر وہ کہیں سائل مجھے
 دور آئی ہو رہی ہو سہاوی منزل مجھے

مانی ریاضی

طلب احمد نام مانی تخلص ہوتا دار انوری قفس
 جاس صلح رائے بریلی سے میں دیکھوں تو وہ عالم
 دوسرے عالم وہ زمانہ ہے کہ جنب آپ عالم ادب
 سے عالم اجتماع میں آئے

ابتدائی تعلیم والدین کے سایہ عاطفت میں بہت
 محفل پوری میں اسی زمانے میں فوق شعر
 نے طلب علم کے شوق کو بپا کیا اور برابری
 اور پانچام کے رہے ہیں۔

تلمذ ظاہری میں کسی استاد سے حاصل نہیں
 فوق نے زہری کی اور وہی آپ کا استاد ہے
 میونسپل بورڈ اگر میں کسی مقرر ہوں
 پر ممتاز ہیں۔

اور تسنیم "اگر وہی ادارت میں شریک
فانی بدایہ فی ہیں۔

غزل

بے تکلف، یاس پہونچا، لب ساحل مجھے
پچھلے منزل سے کیا ستن منزل مجھے
ہاں مٹا دیتا مال ہی لا حاصل مجھے
میں کبھی باطل کو بھی حق دیکھتا ہوں اور کبھی
اور کیا دیتے ازل کے دن عطا فرادیا
ہوشتبار، بخودی ہوں درندہ شدہ ہیں
دہم ہستی مجھ کو ہرگز دے نہیں۔

اٹ لے ڈوب مرا بندار، بربذ دل مجھے
ابیرہ دل جانے کہاں لیجا رہا ہوں مجھے
وہ تو یہ کئے در قسمت پہ لایا دل مجھے
جو حقیقت ہے نظر آتی ہے وہ باطل مجھے
ایک بخت مار سا اک ناشکیبا دل مجھے
عقل بہکا تی اگر باقی کہیں عناف مجھے
باش اے ذوق فنا معلوم ہی منزل مجھے

۴۲۔ مال۔ مین پوری

دشنی، ویجی پرشاد نام، مال تخلص، مین پوری کے قدیم باشندے، نجیہ الطرین
سکسینہ کا ستیہ اور دشنی جاگی پرشاد صاحب آجمانی کے خلف الرشید ہیں۔
آپ نے مکتبوں اور چند روز تحصیل ملی مدرسہ مین پوری میں علوم رسمیکہ کی تحصیل
کی ہے، اسود، خوش مذاق، خوش خط، خوش اخلاق، بزرگ اور پرانی صحبتوں اور
بزرگانِ قدیم کے خلوص و محبت کی زندہ یادگار ہیں۔

آپ کے خاندان کا آبائی پیشہ زمینداری و وکالت ہے۔ اپنی آزادہ مزاجی و خوش باشی کے سبب سے آپ نے وکالت کی انجمنوں کو پسند نہ کیا۔ اور بزم گول کی متروکہ ملکیت و زمینداری کی آمدنی پر قانع ہیں۔ اور چشم برد و بفراغت تمام زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مائل صاحب کو اوائل عمر ہی میں شعر و شاعری کا چسکا پڑ گیا تھا۔ اور آپ نے ۲۰ سال کی عمر سے "عامی" تخلص کر کے شاعری شروع کر دی تھی۔ اور آپ نے شروع شروع میں ایک صاحب کی طرف رجوع کیا جو داغ مرحوم کے شاگرد اور کوئی بڑے ہی منکسر الطراز فریگ تھے انھوں نے داغ صاحب کے پاس آپ کی غزل بھیجی اور آپ نواب صاحب کے حلقہ مکائدہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ دن بعد نواب صاحب مرحوم نے مائل صاحب کو لکھا: "کیا تم نے بڈھوں کا سا تخلص اختیار کیا ہے؟ تخلص تبدیل کرو" اور ان کی خواہش پر "مائل" تجویز فرمایا۔ گویا آپ کا تخلص عطیہ سرکار نواب فصیح الملک بہادر مرحوم ہے۔ مائل صاحب نے پہلی غزل ۱۸۹۲ء میں اصلاح کے لئے نواب داغ مرحوم کی خدمت میں بھیجی تھی۔ اور اس وقت سے ۱۹۰۵ء تک کہ اسی سنہ میں آپ کا دیوان شائع ہوا۔ تیرہ (۱۳) سال تک برابر اصلاح لیتے رہے۔ حضرت داغ نے آپ کو ہمیشہ سلیس سادہ اور روزمرہ لکھنے کی تاکید و تلقین کی۔ اور آپ نے مرحوم کی ہدایات پر برابر عمل کیا یہی وجہ ہے کہ مرحوم کے حلقہ کی خصوصیات شاعری آپ کے کلام میں سب کچھ موجود ہیں۔

(داغ دازہ اصلاحات داغ از کشتہ قادری۔ مشاعرہ بابتہ اپریل ۱۹۳۰ء)

منزل

دیکھتی تھی رزم آرائی میں کس شال بجھے
 قبر میں تنہا نہ چھوڑا ہے اسے اضطرابِ دل بجھے
 جب سے آئے ہیں نظر کچھ جلوہ نماز دل بجھے
 میرے جلوہ کی ترپ جب کر گئی بس بجھے
 حقیقت میں بھی تیری ہی حقیقت کا بول از
 میرا ناں ہی ہے مری آسانیاں مشکل پسند
 آخر آپس کی جدائی کا یہی انجام ہے
 سب مجازی منزلیں نظروں سے نہان ہو گئیں
 کیا ساتھی میری نظروں میں تکی طور کی
 کشتی دل میری جب خود بن گئی موج فنا
 وہ دہجراں کے تصدیق رنج حرام کے شمار
 میں کسی کے تیری پردا کو کیا الزام دوں
 کل تو مائل قربت منزل بھی مجھ سے دور تھی
 آج مائل دور ہی ہو رہی روتی محفل مجھے
 تو کہاں جاتا ہے پہنچا کر سر منزل مجھے
 میری منزل کا پتہ دیتی ہے ہر منزل مجھے
 میری ہستی ہی نظر آئے گی دستِ آمل مجھے
 پھر بھی دنیا کہہ رہی ہے حق تجھے باطل مجھے
 پھر جو مشکل ہی نہیں وہ کیوں ہو مشکل مجھے
 دل کو میں روتا تھا اور اب رونا ہوا دل مجھے
 جب نظر آئی حقیقت میں مری منزل مجھے
 جلوہ حسن ازل نے کر دیا عسافل مجھے
 اب جو آئے بھی تو کیا آئے نظرِ ساحل مجھے
 آج ان دونوں نے تجھ کو کر دیا واصل مجھے
 خود مری چشم تماشا کر گئی بس مجھے
 آج منزل بن گئی ہے دوری منزل مجھے

۴۳۔ محسنِ امرتسری

امر ناتھ نام، محسنِ تخلص، امرتسر پنجاب وطن مالوت، عمر ۵۵ سال۔ آپ دیوان
 نانا دان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو امرتسر کا ایک نہایت شریف، معزز و متمول خاندان

ہے آپ کے آبا و اجداد ریاست کشمیر میں معقول عہدوں پر ممتاز تھے۔ آپ کے بڑی بھائی اسی ریاست میں دیوان تھے اور ایک بھائی وزیر اعظم۔

آپ نے ڈی۔ اے۔ دی کالج لاہور میں تعلیم کی۔ صحت کو خرابیوں نے اس سلسلہ کو قائم نہ ہونے دیا اور آپ کو مجبوراً کالج سے تعلیم کی اعتبار کرنی پڑی۔ مطالعہ کا ذوق فطری تھا جو کالج سے منحصر کی کے بعد اور بھی بڑھ گیا۔ باوجود صحت آپ اس ذوق سے دست کش نہ ہو سکے۔ اور اسی کی بدولت آپ نے کالج چھوڑ کر وہ کچھ حاصل کیا جو کالج میں بھی ناممکن تھا۔ زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ سن تحریک پہنچ کر انسان کے لئے اس میں حصہ لینا لازمی ہے۔ شہر ماہندوستانی طلباء کالج چھوڑنے کے بعد لازمت کے خواہشمند نظر آتے ہیں لیکن آپ کا زاویہ نظر محدود نہ تھا آپ نے تجارت کی طرف توجہ کی اور کچھ دنوں تک پیس بنک لمیٹڈ کے منیجر اور آخرتسر بنک لمیٹڈ کے جنرل منیجر رہے۔ اس کام کو بھی مذاق طبع کے خلاف دیکھ کر کتنا رنجش کی اور چونکہ اسی زمانہ میں شرارت مائے (ظلم کمپنیز) کا دور دورہ ہوا۔ لہذا آپ نے اپنی تمام تر توجہ اس طرف منحطف کر دی اور خداداد زمانت کی بدولت اس شیعہ میں بیحد کامیاب ہو گئے۔ اس وقت آپ کے تین ذاتی اور کامیاب سینما اسکر وکاپنور میں موجود ہیں۔

اخلاق نہایت وسیع ہے، ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ چنانچہ اپنے طرز عمل کے متعلق خود فرماتے ہیں۔

ع امیروں میں امیرانہ فقیروں میں فقیرانہ

محسن صاحب میں شاعری کا ذوق کب اور کس طرح پیدا ہوا وہ خود بھی نہیں

بتا سکتے۔ ایام طفولیت میں شعر کہتے تھے۔ کہوں کہتے تھے کچھ معلوم نہیں۔ سن
 شعور کو پہنچتے ہی آپ کو پولٹیکل اور مذہبی معاملات سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔
 مختلف موضوعات پر نظمیں لکھیں جنہیں اندری نقطہ نگاہ سے بھی بہت پسند کیا گیا
 اسی زمانہ میں ٹیپرس، سوسائٹی امرتسر کے قیام نے اس فوج کو اور جلا دی دی،
 اس سوسائٹی کے مقاصد کو آپ نے نظموں کے ذریعہ سے لوگوں تک پہنچایا
 افسوس کہ یہ تمام نظمیں دستبردارانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں آپ کے دوست بابو
 بہاری لال صاحب آپ کا مجموعہ کلام دیکھنے کے لئے لے گئے تھے۔ انہیں یام
 میں امرتسر میں ہارشل لا جاری تھا۔ گھر گھر تلاشیاں ہو رہی تھیں۔ اگر کسی
 پاس کوئی پولٹیکل نظم یا کتاب پائی جاتی تھی تو ضبط کی جاتی تھی اور حامل کو علی قدر
 نوعیت خمیازہ بھی جھکنا پڑتا تھا۔ بابو بہاری لال صاحب نے جب یہ نازک
 حالت دیکھی تو آپ کے اس مجموعہ نظم کو انتہائی افسوس کے ساتھ نذر آتش
 کر دیا۔۔۔۔۔ ایک شاعر کو اس سے زیادہ صدمہ کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے
 مجموعہ کلام جس کو اس نے نہایت محنت و جگر کا دی سے مرتب کیا ہو۔ اس طرح
 ضائع ہو جائے۔ جس وقت بابو بہاری لال نے آپ کو اس ضیاع کی خبر دی۔
 آپ نے نہایت ہی افسردہ لہجہ میں ”افسوس“ کہا اور خاموش ہو گئے۔

بزم سروش امرتسر کا قیام آپ کی ادبی دلچسپی و مساعی کا عملی ثبوت ہے۔ اس
 انجمن کی بنیاد آپ ہی کے ذوق ادب کی رہنمائی سے روئداد سالانہ اجلاس
 بزم سروش سہ ماہی کے مطالبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس انجمن کے لئے
 بہت کچھ کیا۔ انجمن مذکور کے صدر ”نبا“ بزم سروش کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

”ان کے ساتھ ہی ایک دوسرے رفیق شفیق جناب محسن کی ترغیب بڑے کار
آئی اور میں سر تسلیم خم کر کے ان کی مخلصانہ مجلس میں شریک ہو گیا۔
آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

”دیوان امراتہ صاحب محسن نے جو بنیان بزم میں ایک مقتدر فرد ہیں نہایت
فراخ دلی سے جلسوں کے لئے اپنا مکان پیش کیا۔ اور تمام مصداق جو حاضرین
کی تواضع کے لئے مناسب تھے۔ خود برداشت کئے اور جلسے پندرہ روزہ کی
جگہ ہفتہ وار ہونے لگے۔ اس سرپرستی و اعانت کے لئے بزم سرورش دیوان
صاحب کی حیرت و ان منت ہے۔
ایک جگہ اور لکھتے ہیں۔

”دیوان امراتہ صاحب ان چند احباب میں سے ہیں جن کی مساعی جمیلہ اور
اشتراک عمل پر بزم سرورش امرتسر کی حیات و بقا کا مدار ہے۔“

آپ کی شاعری صاف، ستھرے، پاکیزہ جذبات سے ملبوس ہے جو کچھ کہتے
ہیں۔ سہل ممتنع ہوتا ہے۔ زبان پر آپ کو قدرت خاص حاصل ہے۔ جام جہانما
لکھنوکا دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ ”کیا کوئی اہل زبان اس اچھی زبان پیش کر سکتا ہے؟“
چند غزلیں جناب امیر دینائی مرحوم اعلیٰ اند مقامہ کو دکھائیں اس کے بعد اتفاق
نہ ہو سکا۔ جو کچھ کہا اپنی ذمہ داری پر کما۔ امیر دینائی مرحوم کے آپ خاص طور سے
مستعد ہیں، نہ بھی لکھتے ہیں اور آپ کے کئی ڈرامے اسٹیج پر آکر کافی شہرت حاصل
کر چکے ہیں۔ آئینہ ہند، تحفہ محسن، قتل معصوم وغیرہ آپ کی تصانیف میں سے
ہیں۔ آپ نے متعدد انگریزی کتب کے ترجمے بھی کئے ہیں چنانچہ کرینن ڈائل

کاتاؤں پر اسٹڈی ان اسکارلٹ اور لیڈ آف سمر سٹائیں خصوصیت سے اسے قابلِ ذکر ہیں
آپ کا دین ان مرتب ہو رہا ہے جو مستطرب شایعین کو کر تیا ہے اور اپنی دیکھی گئی
باعث ہوگا۔

عزل

دام صدا افکار ہے ہر عقدہ مشکل مجھے
برنِ خرمن سوز ہے میرا ہی سوز دل مجھے
دار فانی کی مسافت ہے قریب اختتام
دو گھڑی کے واسطے مل جلے یا رائے سخن
واقع دیر و حرم لا کھوں ملے تو کیا ملے
شیخ جس نے خود نہیں پی اور نہ پلوائی کبھی
از پئے دیدار لیلیٰ تھیں نہ کچھ دشواریاں
فکر کیا ہے خود ہی کر لے گی شریکِ ور بھی
پر فتنہ ہیں جس نے دیگا قوت پر داز بھی
امتیاز حق و باطل ہے تو اس کے دم سے ہی
گر نہیں بادِ موافق جوشِ طفاں ہی سہی
تھا و فور شامانی موجبِ صدا صطراب
پار کیا، منجھوھا کیا، اک فریب امتیاز
یا شریکِ مور کر لے یا اٹھائے بزم سے

اب رہا کر دے طلبِ ہستی باطل مجھے
فرز نہ ہستی سے آخر یہ ہوا حاصل مجھے
آ رہی ہے یاد پھر بھولی ہوئی منزل مجھے
آج کہا ہے کسی سے ناہوائے دل مجھے
ایک ہی کافی تھا ملتا آشنا ے دل مجھے
وہ لکے گا شربِ مے کے باب میں قائل مجھے
غامی جذبہ مری تھی پر وہ تحمل مجھے
وہ کشش ہو کھینچ لانی تا دیر محض مجھے
کیوں ڈر لوں کیوں ڈر لے دوری منزل مجھے
جادہ صدر بہری ہے جلوہ باطل مجھے
کوئی تو پہونچا ہی دیگا طالبِ سائل مجھے
رکھ دیا قاتل نے خنجر جان کر بسل مجھے
یہ بھی اک سائل مجھے یہ وہ بھی اک سائل مجھے
کیوں بنا رکھا ہے لے ساتی دفاصل مجھے

نقشِ پائے زلفِ گلِ محمدی تو یہ راز مہنا کیا ہے گر ملتا نہیں سنگِ منزلِ تیرے

۶۴۔ محفوط

زندگی کیا موت بھی اب رگِ شکر ہے
پڑھ کے یہ مہمانِ نرہی دیکھتے پہلے تھے
کر نہ مجبور اس قدر ادا صراطِ اولیٰ تھے
تو بھی ہوں میں تیری الفت بھی عمیقی ہو بھی
ایک دل میں اتنے لہجوں کی گنتی نہیں
میں وہ دلِ غفلت میں جس میں آئینہ اب کی
کی نظر اپنی حقیقت سے پر تو کھیں کھیں
حاصلِ الفت سمجھتا ہوں میں اسی تکلیف کو
مرحبا دردِ دیا نہ جو یہاں سے سسما
الہامِ ربانی دہری کی شان ہے

تیری الفت نے نہیں رکھا کسی قابلِ مجھے
اس سے کیا ڈرنا کہ کوئی کڑوے قائل مجھے
آہ کرنا بھی ہوئی جاتی ہے اب مشکل مجھے
کیا کہوں کس طرح کا حق نے دیا ہوں مجھے
کاش یہ جو جیتے عطار و زائر ہوں مجھے
آپ کی خواہش ہے اُنکے یہ تہنا دل مجھے
تیری قدرت نے بتایا ہے قراقل مجھے
تھم ویسے جاؤ یوں ہی تکلیف حاصل مجھے
لے خوش قسمت کہ سمجھا تو کسی قابلِ مجھے
کر گئے دل ایک وہ محفوط اہلِ دل مجھے

۶۵۔ مشتاق احمد کلارک پولس میں لڑ رہی

دیکھ کر کیا میں یہ فیضانِ فنا غلِ سب
اسی راہِ مہل ہوئی کہ سب نے حاضر مجھے
جسے تجوئیں سے گئی تو سب سے نشانی مجھے
زندگی بساں تھی انکس ہو گئے مشکل مجھے

کون یا رب دے گیا تعزیرِ اول مجھے
دروے تیری رحمت میں کہا کائنات مجھے
شوقِ منزل سے بندہ دوئی منزلِ تیرے مجھے
نہیں دنیا میں طارِ مژ آشنائوں مجھے

اُگیا ہوں آگیا رحم ان کو حالت پر مری
 بیٹھنے دیتی نہیں وحشت مجھے دم نہ کہیں
 نئے کے ناظم میں یہ کہنا کسی کا بار بار
 المدا سے بخود شوق منزل المدا
 ابرو سے خمدار کا دیتے جو دیکھا واسطہ
 کر دیا مشتاق باؤ نونے بھی بس مجھے
 مل گیا ہاں مل گیا اس نسبت کا مل مجھے
 یقین لینے ہی نہیں دیتا ہو رد دل مجھے
 قبر میں کیوں یقین لینے دیکھا رد دل مجھے
 کالے کوسوں ہو گئی ہے عشق کی منزل مجھے
 کر دیا مشتاق باؤ نونے بھی بس مجھے

۶۶ - معین فرخ آبادی

معین الرحمن نام، والد کا نام عبدالرحمن خاں پیدائش ۱۹۰۵ء بمقام منسوری
 اصل وطن فرخ آباد۔ پانچ سال سے شعر کا شوق ہے اکثر شاعروں میں شرکت
 کا اتفاق رہتا ہے۔ عرصہ تک آپ ہفتہ وار عجیب فرخ آباد کے مدیر معاون کی حیثیت
 سے کام کرتے ہیں۔

غزل

یاس دل سے کہہ رہی ہے مل چکی منزل مجھے
 اب نظر آیا جنون شوق کا حاصل مجھے
 مجھ کو بخود کر گئی اس رجبہ کیف یاد دوست
 میں کہیں جاؤں یہ ظالم بے پہونچتا ہو دیں
 وہ نہ آئیں گے نہ یہ بد بخت پایہ گاسکون
 کس قدر تسکین کا سامان ہو آغوش موج
 اب کہاں لے جائیگی یہ سہمی لا حاصل مجھے
 فکر منزل کر گئی گم کردہ منزل مجھے
 موت میں اب زندگی کا لطف ہی حاصل مجھے
 چین سے رہنے نہیں دیتا میرا دل مجھے
 اعتبار ان کا مذاق ہی اعتبار دل مجھے
 ڈوب کر شاید نظر آنے لگا حاصل مجھے

سوختہ سمان پروانوں میں ہو گا دل معین دیکھنا ہے غور سے خاکِ سرِ محفل مجھے

۶۷۔ میکش۔ اکبر آبادی

محمد علی شاہ نام میکش تخلص سر سید اصغر علی شاہ مرحوم و مغفور کے خلف اکبر، متوطن اکبر آباد ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد علوم ظاہری و باطنی میں سر پر آوردہ اور ممتاز بزرگ تھے۔ آپ کے جد امجد سید امجد علی شاہ صاحب مرحوم و مغفور یک تمامی سجادگانِ خصومی اکبر آباد کا سلسلہ ارادت منتہی ہوتا ہے۔ اس لئے اور اس لئے کہ عطا دہیری مری کے آپ کے آبا و اجداد کچھلی صدی عیسوی میں عاملِ عنان حکومت شہر ہی رہ چکے ہیں کیا بحیثیتِ علم و فضل ظاہری و باطنی اور کیا بلحاظِ امارت، ریاست و سیاست تمام اٹالیاں ارض و تاج آپ کے گھرانے کا نام عقیدت دلی کے ساتھ لیتے ہیں۔

جناب میکش ۱۹۰۲ء میں بمقام اگرہ پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا سایہ عالم کسبی میں سر سے اٹھ گیا اور آپ کی تعلیم و تربیت کی تمام تر ذمہ داریاں آپ کی والدہ ماجدہ کے ذمہ عائد ہو گئیں۔ ابتدائی اور اوسط تعلیم مکانِ پر بانی اور ۱۹۲۲ء میں مدرسہ عالیہ اگرہ سے مکمل علوم ظاہر کے بعد سندِ فضیلت حاصل کی۔ باوجود خانہ انی انضامیت کے خانقاہِ بریلی شریف سے طالبانہ طور پر کسبِ فضائل باطن کیا۔ صاحبِ سجادہ ہیں۔ اور اس نوجوانی میں امراضِ بیزادگان سے پاک، صنعت سے مبرا خشک مزاجی اور بہ تکلف خود گردانہ لے انسانیت ثابت کرنے سے عقبت اس قدر یا کباز و مصالح ہیں کہ آپ کا جواب مشکل سے ملے گا۔

غزل

بعد کشتن بھی گماں کرتا ہے تو بسل مجھے
مجھ کو دنیا نے بہت پایا مگر کھو یا ہوا
میں دلیل مدعا ہوں میں جواب ہر زمانہ
مجھ سے منزل کا تعین مجھ سے منزل کا ہونا
خود میری تری بیگانگی میں نہ تھیں
دیر تک انتظار کا غافل میں با اعلان سوز
تیرے جلوے کی عنایت یا میرے دل کا تصور
مرحبا میکش تری دیوانگی مقبول ہے

اپنی صورت سے ملا کر دیکھا اب قاتل مجھے
تھی وہیں خلوت جہاں یاد آئی وہ محض مجھے
ساتھ آئے تین دریاں ہوں کچھ نہیں حاصل مجھے
چاہے کراپے کو یا تانہ سو ہڈے منزل مجھے
دے رہی ہے دعوت خلوت تری محض مجھے
دیر تک دیکھا کیا وہ جان کر غافل مجھے
آج ہرزہ افراط آیا جواب دل مجھے
لوے جا آئی تجھ میں سے برب دل مجھے

۴۸۔ تاوڑ میں پوری

میش داوڑ بھی تصور کر گیا بسل مجھے
ہر اداس جلوہ تیری بن گئی قاتل مجھے
عرق ہو کر بحر غم میں یہ ہوا حاصل مجھے
کر کے پابند عناصر دیکھے درد دل مجھے
بحرِ محبت کے شناور قطرہ ہائے اشک تھے
دشت ہو میں یوسف گمشدہ کا پاکر پتہ
ہے نظریہ فروغ حسن سے اس شبت میں

حشر کے برے میں بھی آیا نظر قاتل مجھے
یعنی خود میری نگاہوں نے کیا بسل مجھے
کھینچ کر لائی ہے خود بیتابی ساحل مجھے
خود کیا ہے انتخاب حسن کے قابل مجھے
کھینچ لائے بحرِ عیاں سے لب ساحل مجھے
آرزوے شوق میں خود لے اٹھی منزل مجھے
صد شماعِ مہربت ہرزہ منزل مجھے

کار اقبال سے کہ تم نے پیش اور حشر میں
میری دوست سے اٹھی کچھ ایک ایسی معنی غم
ہستی دل سے بنا بدینہ ساز است
بڑھتا جاتا ہے بہت طویل حدیث درد دل
کیا خبر ناگہم کہ خود شوق شہادت لے اڑا

گوشت چشمیشیاں سے کیا بسمل مجھے
دیکھ کر روتے ہیں غارِ وادی ساحل مجھے
مستی غم نے کیا ہر سوز میں شامل مجھے
سرخِ افسانہ ہے افسانہ کا حاصل مجھے
کھینچ لایا یا کہ جذب خجرت آں مجھے

۶۶۔ تازہ ماوہری سحر کگلرکت شہدائے غم شہرِ کربلا میں پڑی

خوگر رنج و الم آیا نظر جب دل مجھے
ڈوب کر دیکھا تو یہ حال ہوا اے دل مجھے
عشق میں تیرے ہوا یہ مرتبہ حاصل مجھے
بڑھتے بڑھتے اس دردِ مشق آسور بڑھ گئی
پردہ غفلت اٹھا جب خانہ دل سے
مجھ سے پہلے دل نے لوٹے وصلِ جاں کے
مٹ گیا جب خانہ دل سے اسیری کا خیال
تیری لا محدود ہستی کا بتہ پھر چل گیا
فکرِ راحت چھوڑ بیٹھا ہستی کے یار میں
جی کو گھر بیٹھے ہوئی سیرِ بیا بیاں پھر نصیب
شکوہ جو درد بھگا کس محنت اب تجھ سے کروں
کوئی کتاب ہے نرالی شان ہے میری بھی تاز

ہو گئی آسان دنیا بھر کی ہر مشکل مجھے
بن گئی ہر رنج و دریا اک نیا ساحل مجھے
ذره ذرہ میں نظر آئی مری منزل مجھے
وصلِ جاں آج گھر بیٹھے ہوا حاصل مجھے
لطف جلوہ ذرہ ذرہ سے ہوا حاصل مجھے
جو بڑا ناواں تھا وہ ثابت ہوا عاقل مجھے
لطف آنا دی ہے پھر زنداں میں بھی حال مجھے
ذره ذرہ تجھ سے جب آیا نظر وصل مجھے
اب ہر اک نقش قدم میرا ہی خود منزل مجھے
جب کمالِ جوش و خروش ہو گیا حاصل مجھے
قتل کی حسرت ہی خود لائی ہوا قاتل مجھے
دیکھتا ہے اک جہاد و دوسرا شامل مجھے

ایک عالم کی نگاہیں مجھ پر پھر پڑنے لگیں وصل جاناں ہو گیا اے تاجبِ حاصل مجھے

۷۷۔ تاشاور (چند بابو سکینہ میں پوری)

وہ نگاہِ تازا ایسا کر گئی بس مجھے ذرہ ذرہ میں نظر آنے لگا قاتل مجھے
سارا عالم ہے پریشان دیکھ کر بس مجھے کیا تماشا ہے نظر آتا نہیں قاتل مجھے
بعد مردن قبر میں آرام سے آتی ہے نیند عیشِ منزل کیوں نہ ہو جاگری منزل مجھے
کوئی مشکل ہو کبھی محسوس ہوتی ہی نہیں کیوں نہ پھر آسان ہو دنیا کی ہر مشکل مجھے
یا الہی کیا کوئی تازہ مستمِ یاد آ گیا ان کے گھر اب کیوں لئے جاتا ہوں اہلِ جہنم مجھے
ہوش آئے پر بھی میں ہوتا نہیں غیر پسند ہوشیار رہنے کیا اب اور بھی غافل مجھے
ان سے کیا ناشادہ ان کے ہجر کا شکوہ کر دوں جب دعا دینے لگا کعبت میرا دل مجھے

۷۸۔ تازک شکوہ آبادی

عبادِ احمد نام، قاضی محمد اراوت احمد "ارادت" شکوہ آبادی مرحوم کے جو ایک
فہم گو بزرگ تھے، خلفِ اکبر اور بارشندہ شکوہ آبادی ہیں۔ آپ کے آبا و
اجداد عربی، فارسی، خوشحالی کے ماہر اور شاعر، خوشگو، معتمدی، پیشہ منصب قضا
شکوہ آباد پر ممتاز اور علمی خدمات کے سلسلہ میں شامان مغلیہ کے جاگیردار تھے
آپ کے جدا مجد قاضی "قدرت احمد مرحوم نے گلستانِ سعدی" کو فارسی
میں منظوم کیا تھا جس کی اشاعت سے پہلے پہلے ہی رہنما عالم باقی ہو گئے
آپ کے والد ماجد مولانا فضل احمد خاں صاحب مرحوم کے خلیفہ، سرکاری

لازم است تا مرنے تک زندگی بزرگ تھے۔

نازک صاحب ۲۲ دسمبر ۱۸۹۹ء کو اپنے وطن مالوت میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد ماجد کے زیر نظر تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۹۱۱ء میں اردو ٹیٹل ۱۹۲۳ء میں زبان اردو اور ۱۹۲۴ء میں زبان ہندی دی۔ ٹی۔ سی اور ۱۹۲۹ء میں ایڈوانسڈ لان اردو پاس کیا فرسٹ ایڈ کے امتحان میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ مدرسہ ڈسٹرکٹ بورڈ شکوہ آباد میں پندرہ دور سی ملازم اور بہت اچھے خوشنویس ہیں۔

حکیم محمد مطیع احمد صاحب ٹیٹل شکوہ آبادی مرحوم کی مکرر سے کر تا کیدوں پر شاہی کی جانب متوجہ ہوئے اور ابتداء مرحوم ہی سے اصلاح بھی لیتے رہے ۱۹۲۱ء میں شیدا اناوی کے توسط سے حضرت آفتاب بروی کے زیر تلامذہ میں داخل ہو گئے۔

غزل

میری مشکل ہو گئی یوں اور بھی مشکل مجھے بخت برگشتہ سے لذت کش ملا ہی دل مجھے
 افسوس ہو کہ حکم صاحب کے حالاتِ مہر و مہر کے کلام کی اشاعت کی جانب حضرات شکوہ آبادیوں سے کسی نے توجہ نہ کی مگر کچھ دلی اور بے اعتنائی برتی گئی تو محفوظ ہو گا وہ بھی ضائع ہو جائے گا۔ اگر نازک صاحب اس طرف توجہ کریں تو دشوار نہیں اس طرح حق شاگردی ہی ادا ہو جائے گا۔ بلکہ شعر نے شکوہ آباد کے سلسلہ کی ایک کڑی دست برداران سے محفوظ ہو جائے گی۔

ع مائونہ ناز جان جہاں تم کو اختیار

(ناچیز ”مرتب“)

اپنی محض میں بلایا تو نے کب قال مجھے
پہلے جس تیر نظر نے کر دیا کھال مجھے
آنکھ ایسی کر عطا ہے مرشد کامل مجھے
عشق میں ہوتی نہ کیونکر زندگی مشکل مجھے
ہوش میں لاسنے کی اک تدبیر ہے منہ پھیر نو
پھر تڑپنے ملانے کا تماشہ دیکھنا
ہے تلاش پار میں مہر نامہ میری نظر
ظہیم الفت میں آخر ڈوب کر یہ تھاہ لی
ہے جس کا یہ عالم پھر کسی کے عشق میں
ہے طلب اکثر عطا کرتا رہا میرا کریم

یکہنچ کر لایا ہے تجھ تک جذبات و گل مجھے
رہ کے دل میں اب نظر آتا جو اک دل مجھے
زورہ ذرہ میں نظر آنے لگے اک دل مجھے
ہر اداسے دلفنازی ہوئی فتال مجھے
سا منے جب تک ہو گئے یاد گئے غافل مجھے
پہلے اک تر بھی نظر سے کر بھی دو بسمل مجھے
جس جگہ ٹھنکی نظر آیا وہیں غسل مجھے
دور جتنا تھا قریب آیا نظر ص ص مجھے
تنگ آتی ہے نظراب وسعت منزل مجھے
تا کہ کہیں جا اس نے نازک جانکر سائل مجھے

۷۲۔ تذیر خلیلی قالمگنجوی

تذیر محمد خاں نام، تذیر تخلص حضرت شاہ خلیل احمد صاحب صفی پوری رحمۃ اللہ علیہ
سے شرف بیعت حاصل ہونے کی وجہ سے خود کو خلیلی لکھتے ہیں آپ بمقام ریاست
انور درجہاں آپ کے والد و دادا صاحب خلیل القدر عہدوں پر ملازم تھے ہندوستان
میں پیدا ہوئے، وطن آبائی قائم گنج ضلع فرخ آباد ہے، افتخاران آفریدی ہیں۔
ابتدائی عمر میں تعلیم قرآن شریف حاصل کی کے اردو، فارسی کی کتابیں خانگی طور
پر پڑھیں۔ اور جب آپ کے والد صاحب قبل ملازمت ترک کر کے اپنے آبائی
وطن قائم گنج میں آئے تو سرکاری مدرسہ میں داخل ہو کر مشاعرہ میں امتحان

مڑلے رونا کیوں نہ پاس کیا۔ ہندی سے بھی کما حقہ واقف ہیں اور قدرے
انگریزی میں بھی دخل رکھتے ہیں۔ مطالعہ کتب و علمی مشاغل برابر جاری
رہتے ہیں۔

۲۷ء میں جوائنٹ ایڈیٹر اخبار ”حجیب“ فرخ آباد ہوئے اور اپریل ۱۹۳۷ء
میں اخبار مذکور کو مدیر اعلیٰ کی خدمات قبول کر لیں۔ مشاعروں میں برابر
شرکت کرتے رہتے ہیں۔ صاحب دیوان بھی ہیں، اردو، ہندی، فارسی،
غزلیات بکثرت موجود ہیں۔ آپ کا کلام زیادہ تر تصوف آمیز ہوتا ہے۔
کم و بیش (۲۰) سال بے مشغول شاعر و شاعری جاری ہے۔ اس وقت
عمر ۳۶ سال ہے، فرخ آباد کی علمی، ادبی، قومی کاموں میں برابر مصروف رہتے ہیں۔

غزل

سے رہی ہے کیوں فریب سہی لافصل مجھے
شوق یہ بھرنے نہ رکھا ضبط کے قابل مجھے
بدگمان عشق ہو کر یہ ملا حاصل۔ مجھے
دم تو لینے دے ہجوم آرزو دل مجھے
دیکھنا ہے انتہائے گرمی غفل مجھے
واہ سے بذب شہادت، اُن ہی تاثیر کش
آخری منزل پہ بھی ملتے نہیں تیرے قدم
پھر دکھا دوں گا میں نہ ابد جلوہ حق بے حجاب

ہائے مرنے بھی نہ دے گی آرزوئے دل مجھے
آج کرنا ہی پڑا فتنائے نازِ دل مجھے
اب کسی صورت نہیں ہوا اعتبارِ دل مجھے
آمد و رفتِ نفس بھی ہو گئی مشکل مجھے
اے معنی! چھوڑنا ہے آج سازِ دل مجھے
کھینچتی ہے خود زمین کو چہ قاتل مجھے
اب کہاں لیجائے گالے اضطرابِ دل مجھے
دور کر لینے دے وہم ہستی باطل مجھے

راس آئی ہے ہولے کوچہ قاتل مجھے
نیند آئی ہے قریب کوچہ قاتل مجھے
ڈھونڈتا پھرنا ہوں میں منزل کو اور منزل مجھے

رو ذرہ مجھے رہا ہے صاف پیغام حیات
دیکھنا جھرومی شوق شہادت دیکھنا
میں بھی کیا کم کہ وہ راہ محبت ہوں نئی یہ

نقشہ

مل گیا دونوں جہاں کا ایک یہ حاصل مجھے
چشمِ حق میں نے دکھایا مقصد منزل مجھے
ذرہ ہستی مرا آیا نظرِ کامل مجھے
خوبی دنیا ہے آتے ہی کیا سائل مجھے
پھر نہ لیلیٰ ہے نہاں کیا دور ہی محمل مجھے
کس طرف لیجائے گا الہِ میرا دل مجھے
معفرت میں تیری رحمت نے کیا شامل مجھے
دور رکھتا ہے مرا ہی پردہ حائل مجھے
سمجھا جو کچھ دیدیا تو نے مرے قابل مجھے
بخود ہی حسن نے اب کر دیا کامل مجھے
جب یہ بخت ہو گیا پھر کچھ نہیں مشکل مجھے

نقشہ دنیا نظر آنے لگا باطل مجھے
بحرِ غم سے جب میں او بھرا مل گیا ساحل مجھے
بخود ہی عشق نے جب کر دیا غافل مجھے
خانہ منیم ہو یا ہو ایک مفلس کا مکان
روشنی حسن پڑھ کر بن گئی جب نور دل
کچھ عجب ہے کشمکشِ بابری دیا سے آہ
تیری غفاری کے صدقے تیری بخشش کے نثار
ہر جگہ جلوہ عاقبہ لو ا میں ہے مگر
مصلحت تیری یہ تھی اور یہ ترا انسان تھا
عینِ غفلت ہے جہاں میں ہوشیاری کی دلیل
عشق جب تک خام ہو نہ تیرے لاکھوں مشکل

۴۴۔ نشاط۔ (عبدالشکور)

کس لئے خنجر دکھاتا ہے تواسے قاتل مجھے

تیری شمشیر نظر نے کر دیا بسل مجھے

بیوردی و شہزادہ میر کیا کیا نہ منتظر چھائے
 شیشہ دل پر راجب تیرے میخانے کا نکلا
 چھ کو تر پائے لگی جب لذت انار درو
 خوب ظاہر ان حسینوں کی محبت ہو گئی
 بی کے بھی میخانہ دنیا میں جب غافل ہوا
 عشق شیریں میں گنوائی جان بھی فرما دے
 بحر الفت میں ہوا جب غرق تو بولایہ قیس
 یعنی وہ نقیان ثانی احمد عالی مقام
 میں کوئی عالم نہیں ہے ابتدا میری نشاط

اپنی آنکھوں میں نظر آنے لگا قاتل مجھے
 جام رنگیں بن گئے ہیں تیلو کے تلے مجھے
 اک نہ انداز سے اس نے کیا بسمل مجھے
 بیٹھے بھلائے کیا زنجیر کہ قابل مجھے
 کر گئی ہشید میری ہر حد کے دل بے
 یہ ہوا شیریں لبوں سے اک سبق حال مجھے
 ادا شد دید لیلیٰ بن گئی ساحل مجھے
 میری قسمت سے ملے میں رہبر کامل مجھے
 کہہ بھی دے بزم سخن جاں میں کی جاں مجھے

۷۵۔ نصیر علوی

(سید نصیر الدین نام اسید زین العابدین ربی - لعل زادہ لد بو اے علی گڑھ اور نصیر جی
 فرخ آباد کے صاحبزادے اور سادات علویہ و پیراؤ گاں میگو و ضلع اعظم گڑھ سے ہیں۔
 آپ کے جد امجد کچھ شیشہ پیر ہمالوں (ششہ منشاہ دولت منلیہ ہندوستان)
 کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے جن کا مزار پر انوار میگو میں واقع
 اور مرجع امام ہے۔ اس وقت سے اس وقت تک ہر حکومت کی نظر میں آپ کا
 خاندان معزز اور ہر زمانہ میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہا۔

نصیر صاحب ۱۹۹۶ء میں بمقام میگو پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم
 خاندانی طور پر حاصل کی۔ پھر گورنمنٹ اسکول جوینورا و مشن اسکول فرخ آباد میں

تعلیم پاکر علی گڑھ کالج سے ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔

سنہ ۱۹۲۰ء سے سنہ ۱۹۲۳ء تک وکالت کرتے رہے۔ ۲ جنوری سنہ ۱۹۲۳ء سے منصف ہیں اس دوران میں آپ سنہ ۱۹۲۶ء سے سنہ ۱۹۲۹ء تک ”انسپیکٹر رجسٹریشن“ بھی رہ چکے ہیں۔

علاوہ صحیح معنوں میں ”منصف“ ہونے کے ادبی دنیا میں ایک ممتاز اور ادب نوازی و تربیت ادبا میں ایک بے مثل ہستی ہیں۔ اس مرتبہ پہچان کر بھی ایک ہمدرد، نفع اور خوش اخلاق ہستی ہیں۔ آج کل میں پوری ”میں فرائض“ منصفی انجام دے رہے ہیں۔

نصیر صاحب کی شاعری کا ابتداء تو علی گڑھ کالج کی طالب علمانہ زندگی ہی میں ہو گئی تھی۔ اور آپ محض تفسن طبع کے لئے اکثر ہنگام خوش طبعی مذاہم نظمیں اور قصیدے لکھا کرتے تھے کبھی کبھی مواقع ضروریات پر آپ نے سنجیدہ اور متین شاعری بھی کی۔ لیکن یہ سب کچھ درپردہ ہوا تھا۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں آپ کے جوہر طبع رنگ لائے اور آپ نے غزل گوئی شروع کر دی۔ کبھی کسی سے اصلاح نہیں لی۔ بلکہ متواتر علمی صحبتوں کی شرکت، طبعی انصاف پسندی اور نکتہ بینی سے خود ہی اپنا اصلاح کرتے رہے۔ شاعری مستند مستقل نہیں۔ ہاں موقع آپر تاب ہے اور فرائض منصبی سے فرصت بھی ہوتی ہو تو اس طرف بھی متوجہ ہو جاتے ہیں۔ جناب طہیر علوی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل میں پوری اور مدیر رسالہ ”مشاعرہ“ ”فرخ“ کے آج معظم ہیں (از جناب کشتہ قادری)

غزل

جائنا تھا میں کہ داں پیش اس کی شکل مجھے ہے مرا شوق طلب اک سعی لا حاصل مجھے
 پیش دشمن چھڑتے ہیں وہ سر جھٹل مجھے راس کیا آئی ہو اسے کوچہ قاتل مجھے
 میں سمجھتا تھا جو کچھ سمجھا رہا تھا دل مجھے

زیرِ خنجر نیندا کی ہے دم بسمل مجھے رنج بے پایاں ہے گویا راحت کامل مجھے
 ناامیدی ہے امید اور بحر ہے ساحل مجھے ن کی شکل پسندائیا ازل میں، دل مجھے
 اب نظر آئے لگی آسان ہر مشکل مجھے

یوں تو تیرے عشق میں ہیں جان کے دشمن بھی اک قیامت ہو گئی ہو حق میں میرے دوستی
 یہ مگر طرہ ستم ہے یہ مصیبت ہوئی چین سے جیے نہیں دیتے زمانے میں کبھی
 ایک تیری یاد کا فر ایک میرا دل مجھے

میں نے مانا ہے دل تا داں بہت تیرا کہا ساتھ تیرے عمر بھر میں کو بہ کو پھرتا رہا
 جان و دل سے تھی مگر جس کی طلبہ مل گیا منزل جاناں سے بھی آگے کوئی منزل ہے کیا
 اب کہاں لے کر چلا ہے اضطراب دل مجھے

کرتے ہیں جو رستم عشاق پر اکثر حسین کر کے کھال یوں بھی کوئی چھوڑ دیتا ہو کس
 دم نہ نکلا دل کی ساری حسرتیں دل میں ہیں اک جھلک کھلا کے ظالم تو نے آنکھیں پھیر لیں
 میں ترے قربان جاؤں قتل کر قاتل مجھے

تھی مگر مجموعہ آلام میری آب و گل میں فقط یادِ دم آخر سے بہلاتا تھا دل
 میری ہستی تھی مرے حق میں بلا جاں گسل زندگی تھی رنج و غم کی داستان مستقل
 موت کی امید ہی تھی عشرت کامل مجھے

کون شے ہے دھڑکنے والی ہے ہونے پر غور
گر طلب میں صدق ہو محدود بھی موجود ہے

غیر گفتا تھا تلاشِ یار ہی بے سود ہے
جو قدم اٹھتا ہے اب وہ منزل مقصود ہے

یہ نظر آیا جنوں شوق کا حاصل مجھے

دل لگی کر تپ ہے کوئی دل چاہوں سے بھی جلا
لاکھ سمجھایا مگر انا نہیں سیرا کہا

اب کھنکھاس سوس پلنے سے جھلا ہوتا ہی کیا
مسکرتے۔۔۔ ہالی پوچھا تم نے اور میں مر گیا

ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے

ہاں وہ منظر جہاں پر میں ہو لگا ہوا نصیر
کس مزے سے لڑتا تھا ہوم کے میں بس نصیر

پھر تڑپ اٹھا وہ میرا جوٹ کھایا دل نصیر
یاد آتی ہے وہ حسن و عشق کی محفل نصیر

جس میں پیغام اجل دینے چلا تھا دل مجھے

۷۶۔ نوشاہ اکبری مارہروی

عبدالقدیر نام، نوشاہ عرف شیخ فاروقی اور مارہرہ دضلع ایڑہ کے مشہور فاضلان اکبری
سے ہیں۔

آپ ۱۸۹۸ء میں مقام مارہرہ پیدا ہوئے۔ اردو فارسی کی تعلیم لچھے
پیمانہ پر پائی ہے۔ موسیقی سے ذوق خاص رکھتے ہیں۔

شاعری شعل فاضلانی ہے۔ حضرت احسن مارہروی کے تلامذہ
میں سے ہیں۔ حضرت دیر سے بھی نسبت تلمذ رکھتے ہیں۔ گو ہندی کی باقاعدہ
تعلیم نہیں پائی۔ لیکن موسیقی کی برکات کہ ہندی بھجن، خیال اور ٹھمریاں بھی
بہت اچھی تصنیف کرتے ہیں۔

نزل

آ رہا ہے پھر حیاں ناوک و تاتل مجھے
 چہن سے جنت میں بھی پہننے نہ دیگا دل مجھے
 اب نظر آتی نہیں پہلو میں شکل دل مجھے
 ذرہ ذرہ پر بکھا دوں گا بساط درد و غم
 یہ مری قسمت کہ ہوش آیا تری آغوش میں
 او مری مشق تصور آتھے سجے کروں
 کس پر سی تھی مگر اے عشق کیا کتنا ترا
 آج پھر اٹھا نظر آتا ہے حشر اضطراب
 جمع کر لوں آج بھر دل کی امیدوں کے ہواس
 ایک سی دونوں کی کیفیت ہواس کے عشق میں

دیکھئے اب کیا دکھاتا ہے نفاق دل مجھے
 یاد آئے گی تری رنگین سی محفل مجھے
 اے نگاہ ناز تو نے کر دیا قائل مجھے
 منتشر کر فی پڑے گی داستانِ دل مجھے
 یہ تری غفلت کہ تو سمجھے رہا غافل مجھے
 تیرے دم سے آج سب کچھ ہو گیا محفل مجھے
 تیری وحشت نے بنایا رونقِ محفل مجھے
 آج پھر بڑھتا نظر آتا ہے درد دل مجھے
 آج پھر ہوتا ہے اس کی بزم میں شامل مجھے
 دل کو اے نوشا میں رو تا ہو میرا دل مجھے

۶۶۔ نیکیے۔ مین پوری

زندگی میں موت کی کرنی ہے طے منزل مجھے
 تول کر پرے اڑا پھر ناوک قاتل مجھے
 یہ بھی کیا طرز جفا تھی چھوڑنا بسمل مجھے
 تازے گھال کیا انداز نے بسمل مجھے
 کوئی بھی مشکل نہ ہو محسوس پھر مشکل مجھے

جھیلنی ہے مشکلوں میں یہ بھی اک مشکل مجھے
 سوئے مقتل لچلا پھر باجولاں دل مجھے
 ذبح کر دینا تھا بالکل تھکا اے قاتل مجھے
 ہر اداسے دل نوازی ہو گئی تاتل مجھے
 کاش اپنے ہوش میں پہننے دے میرا دل مجھے

پاؤں تپ کر کیا لگا مانتہ آگنی منزل مجھے
 کر رہی ہیں، آرزو میں میری خود پسند مجھے
 خود مٹانے پر تل رہی ہے اب تو اپنا دل مجھے
 تو ہی پہنچا دے وہاں اے جذبہ منزل مجھے
 دو قدم چلنا بھی اب تو ہو گیا مشکل مجھے
 ہو گیا حاصل سکون قلب تو نیست آگنی
 ایسے مرنے کے قصد ق جس میں ہو لطف حیات
 حسن سے آسان ساری ہو گئیں دشواریاں
 ہے یہ سرفریز زینت عنوان باب میکدہ
 کشتی عمر رواں پہونچا کے رخصت ہو گئی

ڈوب جانے پر ملا ساحل تہ ساحل مجھے
 اب تو ہر امان دل ہے ناوک قاتل مجھے
 نام کو بھی اب نہیں ہے حسرت قاتل مجھے
 پاؤں سے اپنے پہونچنا ہے وہاں مشکل مجھے
 اب تو منزل دور ہوا ہے حسرت منزل مجھے
 مل گیا سونے کو بستر دامن قاتل مجھے
 ایسے جیسے کاخ ہر وقت ہے حاصل مجھے
 عشق سے ہر بات میری ہو گئی مشکل مجھے
 بھل جانا ہوش میں اگر نلے غافل مجھے
 اے نیکلے بحر مستی میں لب ساحل مجھے

۷۸۔ وفا - فرخ آبادی

اب کہیں پہونچا بھی ہے اے اضطراب مجھے
 کر دیا وارفتگی شوق کا حاصل مجھے
 یہ نظر آیا جنون عشق کا حاصل مجھے
 شوق محو بھوئی، امید غرق اضطراب
 چند سالیں رہ گئی ہیں کارفرما حیات
 مرجا حسن تصور، مرجبا صد مرجبا
 کیوں ڈراتی ہے عبت آگے اے موج فنا

شوق نے دشوار کر دی ابلاک منزل مجھے
 تو نے کس انداز سے دیکھا تھا قاتل مجھے
 مشکلیں آساں ہوئیں آسانیاں مشکل مجھے
 لے تو آیا ہے کسی مرکز پہ میرا دل مجھے
 کیا مٹا کر ہی رہے گا اضطراب دل مجھے
 دور رہ کر بھی کسی کا قرب جو حاصل مجھے
 دیکھنا ہے ہر طرف دریا ہے بے ساحل مجھے

اک خلش محسوس ہوتی ہے قریب دل مجھے
 جذب ہوتا ہے تجھی میں کاروان دل مجھے
 آج ہوتا ہی پڑا آوارہ منزل سب سے
 قتل کے انداز سب دکھلائے جا قاتل مجھے
 تو ہی تو دکھلائی دیتا ہے سر محفل مجھے
 اک ذرا تو افسانے جل اضطراب دل مجھے
 آج انہیں نظروں نے مل کر کر دیا بس مجھے
 پھینک دیتا ہے الٹ کر دامن ساحل مجھے
 خود مری ہستی سے جس نے کر دیا ماضی مجھے

پہلے ہی گئی تھی کون پہلے نشتر لوار
 خاک کر دے میری ہستی کو بتائے گرد شوق
 کھینچتا تھا اکب سے آواز جنوں اپنی مڑھنا
 تیریں کر چھڑیا شمشیر ہو کر دل میں ڈوب
 اب کہاں میں، اب کہاں دگر میزوق نگاہ
 ختم ہونے کے قریب آئے حدود عاشقی
 جن کی ہر جنبش سے تھا ہر سانس سیرا جہاں
 جب قریب غایت پہنچاتی ہے اک موج حسن
 ان کے اس طرز تغافل کی شکایت کیا وفا

۷۹ - وقار تجور شید حسن ڈبائیوی ملازم پولیس دار حال میں پوری

کچھ پتہ تو ہی بتا دے مری منزل مجھے
 ہاں دکھائے اک نئی دنیا نگاہ دل مجھے
 موت کی لہروں میں آتا ہے نظر ساحل مجھے
 دیدیا چپکے سے لا کر اس نے میرا دل مجھے
 ہر نفس دکھلا رہا ہے اک نئی منزل مجھے
 کر دیا ہے درد دل نے اب تو اس قابل مجھے
 دیر سچی سینکڑوں دھوکے تلاش دل مجھے
 کر لیا آخر شریک رونق محفل مجھے

دیکھا دھوکہ کہاں کبخت لا کر دل مجھے
 ان کی نظروں میں بنائے دم کے قابل مجھے
 میں وہ ہوں پروردہ طیفان آغوش حیات
 پیش و اور جب سر محشر مچا میں نے غل
 ہر نظر میں آ رہا ہے اک نیا جلوہ نظر
 جا ہی پونچوں گا کبھی منزل پہ اٹھتا بیٹھتا
 ہر قدم پر خاک کے ذرے اٹھالیتا ہوں میں
 بھائیں ان کو بھی کچھ ایسی مری رسوائیاں

ہو گیا یاس و تمنا کا بھی اب قصہ تمام
صرف اتنا ہی بتا دے اوکنا نثار نظر
اللہ اللہ جذبہ شوق شہادت لے وقاس
دل کویں گم کر چکا ہوں کھو چکا ہوں دل مجھے
کون سی تھی وہ نظر جس نے کیا بسل مجھے
جب نظر اٹھتی ہے آتا ہے لطف آں مجھے

ہلالِ شبنم پروردی

کھو گیا ہے اس طرح کچھ لیکے میرا دل مجھے
سو نہ کر فطرت نے میری ایک کافورل مجھے
جان سے لے کر لیا ہے آپ سے مطلب نہیں
وہ بھی دن تھے جب لب ساحل تھا گرداب ہلا
لے چلا ہے دل سے یہ کہ کہ جنون بیخودی
عشوق کیا ہے حسن ہر نگہ بھی پاسکتا نہیں
پا ہی جاؤں گا کبھی جذب شہادت کا صلہ
او سراپا ز تجھ کو اپنی آنکھوں کی قسم
اب مری ناکامی پیہم یقینی ہے ہلال

ڈھونڈتی پھرتی ہے اور پاتی نہیں منزل مجھے
کر دیا ہر عشق کی افتاد کے قابل مجھے
دل کو میں قائل کہوں اور دل کے قائل مجھے
آج گرداب بلا ہے ہر لب ساحل مجھے
اب بتا دینا ہے ہر ذرہ کو اک منزل مجھے
لے اڑی ہے اس طرح نکلتی محفل مجھے
اک نہ اک نل ہی جائیگا کوئی قائل مجھے
ہاں بنا بھی لے نگاہ ناز کے قابل مجھے
حضرت دل ساطا ہے رہبر کامل مجھے

آشفۃ - لکھنوی

بقیہ صفحہ ۱۵

فانڈان اجتماع لکھنؤ سے ہیں۔ عمر تخمیناً ۳۷ سال ہے جس کے حساب سے
۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

تکمیل علوم مشرقیہ اپنے خاندان میں اور علمائے فرنگی محل سے ہوئی شمس العلماء مولانا عبد المجید صاحب قبلہ مرحوم فرنگی محل اور حضرت مولانا عبدالباری صاحب قبلہ مرحوم فرنگی محل سے کی۔

اور علم طب جناب مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجل خاں صاحب مرحوم سے تحصیل کیا اور شاید پہلے شخص ہیں جن کو موصوف نے اپنا خاص اجازہ عطا فرمایا۔ اور اسی الفاظ ان کے اجازہ میں بھی درج ہیں کہ یہ پہلا شخص ہے جس کو میں نے مکمل فن طب کی علمی اور علمی تعلیم دینے کے بعد اجازہ دیا ہے۔ ۱۲ برس کی عمر سے شعر کہتے ہیں۔ ابتدائی دور میں لسان اللہ جناب عزیز لکھنوی سے مشورہ کیا۔ اور تقریباً پانچ چھ سال تک ان کے فیوض سے استفادہ حاصل کرتے رہے۔

ملک و قوم کی بہت کافی خدمت کی ہے ۱۹۲۱ء میں سلسلہ تحریک خلافت و کانگریس ۶ ماہ کی سزا بھی پانچکے ہیں۔ ذوق خدمت قوم آج بھی اسی حد پر دل میں موجود ہے۔

ادبی ذوق کے سلسلہ میں ایک انجمن معراج الادب کے نام سے ۲۷ء سے لکھنؤ میں قائم کی۔ جو تقریباً تمام ہندوستان سے روشناس ہے۔ ۱۹۲۱ء سے اسی سلسلہ میں ایک ادبی پرچہ ”مبصر“ بھی نکالا ہے جس کا اب یہ تیسرا سال شروع ہے۔

الحق



۸۱۔ اٹل سرین پوری

اٹل سرین نام، جناب، اٹل سرین پوری کا مفت سالہ بچہ۔

غزل

کہ سب سب اہل عالم و فاض مجھے اے خداوند جہاں کر دے تو اس قابل مجھے
میں ترا چھوٹا سا بندہ ہوں اکرم کر جیسا ب یا الہی تو بنا دے ہر طرح کا مل مجھے
کنگ ریڈ ختم کر کے اس لئے دل بنا دیوں اب رفاقت بھی نظر آنے لگے جاہل مجھے
صبح دم اظہر خدا سے یہ دعا مانگا کرو لکھنے پڑھنے پر لگے جو وہ عطا کر دل مجھے

۸۲۔ لوم۔ ہاپوری

روز گنتا ہے کہ کھلا کو پہ قاتل مجھے جوتیاں کھلوائیگا آلو کا پٹھا دل مجھے
دیکھ کر اللہ نے کچھ عشق میں کا ل مجھے دیدیا سسر ازمانہ بھر کا درد دل مجھے
آپ جو اکثر کہا کرتے ہیں مجھ کو ہو قوت دیکھا دیکھی غیر بھی کہنے لگا جاہل مجھے
خوب یہ روز ایل اللہ کو سوچھا مذاق دیدیا پھوٹا مقدر اور ٹوٹا دل مجھے
تنگ آکر وصل کی شبان کا کہنا ناز سے آج تو تم بھی نظر آتے ہو کچھ قاتل مجھے
قبر سے آگے کسی نے بھی نہیں رکھا قدم بھاگ آئے چھوڑ کر سالے سر منزل مجھے
آرزو میں اس قدر اس میں سما سکتی نہیں اے خدا دیتا کوئی دو چار گز کا دل مجھے
جاتے ہیں گرم گرم میں بھی تو خنجر باندھ کر آرزو یہ ہے کہ بھنگی بھی کیس قاتل مجھے
جس قدر بچے ہیں بیوی گھونٹ دے سب کا کلا اب تو بھاتی ہی نہیں ن ات کی کل بل مجھے

بندہ پرور بھون کر کھاٹے یا ڈالو گے پاں
 تم جو ہر اک سے کہہ کرتے ہو دیر دل سے
 نچہ کے بن میں لگا جاڑا تو مجنوں نے کہا
 اور تیرے کو کوئی لاشے پر وہ نکل سے مجھے
 کام وہ تیرا سے لیتے تو بھر کیا ٹھیک تھا
 انج بھر ابرو نے ان کے کڑیاں گھال مجھے
 ہائے کس انداز سے کرتے ہیں وہ دل کا سوال
 گر نہیں تم پر تو لا دو تم کسی کا دل مجھے
 بقیہ اب قسمت پہ چھوڑ کر ناز کرنا چاہئے
 مل گئے اب تو نصیر الکریم سے قابل مجھے

۸۳۔ پتوئج - مین پوری

ہر طرح آتا ہے کرنا خارج و داخل مجھے
 چار پیسے بھی نہیں دیتا لکڑی سائل مجھے
 بھیک مانگے سے بھی کچھ ہوتا نہیں حاصل مجھے
 کیا وکیلوں میں کرایا باپ نے سائل مجھے
 پھوڑ دی قسمت نہیں رکھا کسی قابل مجھے
 چند سانسیں آرہی تھیں سیت حاصل مجھے
 صرف پر پوتوں کو کرنا رہ گئی تھی دل مجھے
 تھی نہ اسی سال پر مٹی کی بھی حاصل مجھے
 ٹے گیا دو دو برس کی سات میرج بل مجھے

کچھ غرض اس سے نہیں جوان یا انسان ہو
 مصدر قانون قدرت کا یہی عنوان ہے
 ہر جگہ تذکر اور مائیت کا سامان ہے
 عاشق و معشوق میں بھی فعل کی گواہان ہے
 ورنہ کیوں مفعول تجھ کو کہتے ہیں فاعل مجھے

ایک پیڑی ہے گر بیوہ ہے گو بائیم ٹام
 جیسے بوسیدہ کوئی بھولی ہوئی بیندی کا جام
 بے ٹن کا کوٹ بے فیتے کا جوتا ہے دمام
 شوق عالی جیب خالی ہر گھڑی گڈڑی کا کام
 الغرض جو چیز ہا تھا آئی وہ مستمل مجھے

شکل بھی فکر تقاضا سے شکلی ہو گئی اندر دنی بار سے صورت نہ تھی برکتی
 ہرین موں غرض داخل برنجی ہو گئی میہم صاحب کو بدلتے ہوئے پہنچتی برکتی
 جوتوں سے ظم نہیں بہتے جوتوں کاں جٹے

آٹھ گئی غفل کی محفل شمر کی ہر نوک پر سامعین دم بہر میں سلاست نہ تھی برکتی
 آپ ہی کئے کہ دل کیے دکھائل چیر کر زخم وہ کاری لگا جو بھر نیا یا بھر جس سر
 چو پنچ لے ایسی جگہ پر کر دیا گھائل بجھے

۴۴۔ چنڈا شعرا "ساوہ چنڈا لالہ" صاحب سندھ تاج آبادی

چنڈا شعرا "صاحب فرخ آبادی جنھوں نے اب "فرخ" تخلص کر لیا ہے۔ یہ فرخ آباد
 فرخ آباد کے ٹھکر دار ہیں۔ آپ کی چنڈیت نے آپ کو کبھی ایک تمغے بھی دلائے ہیں
 آپ کے حالات، کوائف اور اشعار کا خلاصہ کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔
 حقیقت تو یہ ہے کہ ہم خلاصہ کرنے سے مجبور تھے کہ آپ کو نہ ایک الفاظ کا ٹکڑا دے یا نہ
 بھی اصل کی لطافت جاتی ہے۔ گیاندا آپ کی سرفروشت فقط بدقتانہ لہجہ کی چٹائی
 ہی تھی کہ ہم نے اظہار و انشائیں ایک نقطہ تک کی ترجمہ و تفسیر نہیں کی۔

۴۵۔ بارے ناظرین "چنڈا شعرا" کے مفہم کہ خود ساوہ جی کی زبان سے سمجھیں۔ آپ فرمایا کرتے ہیں "پہلا زمانہ میں علماء و
 فضلا اور شعرا کہ "چنڈے" عطا ہوتے تھے اور وہ لوگ "اہل چنڈ" کہلاتے تھے۔ یہ کون فی زمانہ میرا ہمسرہ
 شاعری کوئی نہیں ہے۔ ادب اب یہ رواج مسدود ہو گیا۔ لہذا مجھے "چنڈا شعرا" کا خطاب عطا کیا ہے۔
 جس کو میں نے اپنا تخلص قرار دے لیا اور اس کے معنی ہیں "شاعری کا چنڈ حاصل کئے ہوئے یا زینت الشعرا
 کئے ایمانے ساوہ جی نے زاد گذشتہ کے فرقہ ملازم و فقرا اور موجودہ دور کے گون گون کر کے کیسا علمی لباس پہنایا ہے
 (درج)

آدو دیوانِ کلیات، نظمِ نغمِ غرور۔ (اردو شاعری میں حسنِ آدو)
 چھٹی بٹیساری، طوطا سینا۔ اندر سبھا، اور بہت سے نغز لیلیات وغیرہ
 پڑنے سے شوقِ شاعری جذبہ خود بخود حاصل ہو گیا۔

بادر بعد، میں سن ۱۹۱۵ء میں فری کمپنی لندن کا کاروبار کر لیا اور خست (خط)
 کتابت کرنا شروع کر دیا۔ سن ۱۹۱۹ء میں فری کمپنی لندن سے ایک
 بہت بڑی ڈگری مجھ کو دی۔ جو کہ صدر تحصیل فرخ آباد کے مارفت و معرفت، میرے
 پاس آئی اور تحصیل دار صاحب بل رام سنگھ نے مجھ کو کل کا غذات اپنے حاکم
 (ہاتھ) سے دیے۔ وہ ڈگری یہ ہے۔

یہ کہ اوشی فری کمپنی لندن کا کام کچھ فرخ آباد اور زیا دآمین پری زمین پوری، میں
 میرا ^{راوسی} ہے جس میں مجھ کو مانی (معافی) علقع علاقہ، کابل اور بیور کا علقع علاقہ،
 شہر کارنے مانی مجھ کو خزانہ کلکٹری۔ شے دی ہے۔ وہ صاحب کلکٹری زمین پوری کو خوب
 مالوم و معلوم ہے۔

آج بتانے ۱۳ فروری سن ۱۹۳۱ء یہ صوان رسواخ عمری بدست چھٹا لعل شاد
 چند اشعار کے قلم سے تحریر ہوا ہے فقط دستخط چھٹا لعل شاد

غزل

دہر و حرم کے دور میں یہ بادبان تھے کیوں طوفاں اٹھاتا ہی نکل جانے دے سہل مجھے
 قافلہ اب ہے بڑا ہر جانشانہ دین کا راہِ جنت دور ہو طے کرنے ہوا ب منزل مجھے

ہر اداسے دلتوازی ہو گئی و ت آں مجھے
تو بھی ایک ساحل ^{میں} مجھے یہ بھی ہے ساحل مجھے
اور کون کہتا ہے مجھ جی قاتل مجھ قاتل مجھے
اور پھر لکھوں گا حال دل گر ہوا حاصل مجھے

یہ نظم فوراً (فوراً) اسی تاریخ ۱۳ فروری ۱۹۳۱ء وخت (وقت)
بجے شام کو لکھی دستخط چھنا لعل شاہ چندا شعر فرخ آباد محلہ شہ بارہ

۵۵۔ غنیمت محمد حسین طالب علم

والد قبلہ نظر آنے لگے و ت آں مجھے
لیچلا اسکول کو جب جذبہ کمال مجھے
کھیلنے کا تھا ابھی تک شوق لاطال مجھے
چاندنی کا کھیت میں یہ میرے داغِ دل مجھے
مولوی صاحب نے آخر کر دیا بسل مجھے
ہم سبق میرے سمجھتے تھے بڑا قابل مجھے
ماسٹر کا بید بھی تھا خجروت آں مجھے
بے مرا اسکول بھی دریائے ساحل مجھے
قابلیت نے بنایا ہے بڑا جاہل مجھے
توڑنا ہے اپنے بلے سے طلسم دل مجھے
مل رہی ہو داداے غنیمت سر محض مجھے

عین کجی بھی کہہ کر کوئی دار پر گیا
غلام اور ہندو دودین میں جہاں میں
یہاں نے دین کو دیکھو تو پھر نظر خدا آئے
چند اشعار نے یہ نظم بھی ابھی لکھی

مدرسہ میں جب زبردستی کیا داخل مجھے
پہلی منزل نے دکھا دی دوسری منزل مجھے
پڑھنے کو لیجا رہا ہے کھینچ کر اب دل مجھے
ہے شب تاریک میں درس کتاب زندگی
اک ذرا بھولا تھا میں دو تین تھپڑ لگ گئے
امتحان کا دن جب آیا تو میں پروردی ملا
پہلی ہی فوجی میں میرے سر کے ٹکڑے کر دیئے
آٹھ بج کر دس بجے گیارہ بجے چھٹی نہیں
تھوڑا سا پڑھ لکھ کے ہی عرشِ معلیٰ پر دماغ
گیند کو فطرت نے سینہ میں مقید کر دیا
ہے مرے اشعار پر ہر سمت شور مرجبا

نکبیلے - چوہپوری

خاندان ہستی ہے اپنا کاروان منزل مجھے
ڈالنا دشمن پہ کبیل پھر نہ ہو مشکل مجھے
ساربان کو ملا ہے قیس کا کبیل مجھے
لست میں اپنی نہ لکھئے غیر کے شامل مجھے
ناز و داری کرے برکار میں ٹھیکہ مرا
مرٹوں کا جان دیدینا اک ادنی کام ہی
مال دینا آئے دن فردا پہ وعدے کی وفا
غیری جوتا رہے گا کیا تمہاری سیر کا

دو دریں گھیرے ہوئے ہوا اپنے یہ مکرل مجھے
کام بن جائے اگر ل جائے اولن مل مجھے
ہاتھ آیا اس طرح میراث میں محفل مجھے
اس کو خارج کیجئے پھر کیجئے داخل مجھے
مجھ سے اٹھو نا ہو تو تم دید و میرا دل مجھے
تو نے لے قاتل سمجھ رکھا تھا کیا بزدل مجھے
دیکھنا ہے اب تمہارا وعدہ باطل مجھے
دیر یا ہوتا کبھی تو ایک دو ڈسل مجھے

تم نہیں کہتے نکبیل نام بھی لیئے تہیں
تو کہو گے کیا ہمیں اب کدوا کا صل مجھے



انجمن - بھرتپوری

بقیہ صفحہ ۱۵۳

اشتیاق حسین نام، سید جمال حسین راستہ سٹیشن متبن اکے بیٹے سادات ساکنان
بھرتپور سے ہیں۔ آپ متھرا میں پیدا ہوئے۔ وہیں اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم پائی اور حبیب
عالم صغریٰ میں آپ کے والد صاحب نے انتقال کیا تو برات چدرے بھرتپور میں تعلیم
پاتے رہے۔ اب محکمہ پولیس میں پوری کے شعبہ چھاپ انگشت "میں ہیڈ پروفیشنٹ"
ہیں۔ آپ کو جناب تسنیم بھرتپوری تلید حضرت داغ سے شرف تلمذ حاصل ہو۔

جگر۔ مراد آبادی

بقیہ صفحہ ۵۶

علی سکندر نام، جگر تخلص، علی نظر کے بیٹے اور سادات مراد آباد سے ہیں۔ آپ کا خاندان
نمول، سنجابت، امارت اور علم و فضل کی حیثیت سے زمانہ قدیم سے بہت ہی نمایاں اور ابتداءً
سکونت پذیر رہی تھا۔ آپ کے خاندان کے مذاق علمی کے متعلق صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا۔ کہ
مستورات تک ذوق شعر و سخن سے خالی نہ تھیں۔ زمانہ نے بھی قدر وانی کا خاتمہ کر دیا تھا
کہ اس خاندان کے ارکان اہل قی شاہزادگان مغلیہ کے مناسب پر سرفراز ہوئے۔ چنانچہ
مولوی محمد سمیع صاحب جو شاہجہاں کے اساتذہ میں ایک ممتاز استاد تھے۔ جگر صاحب ہی
کے آباد اجداد میں سے تھے۔ شاہزادہ اعظم دین اورنگ زیب عالمگیرؒ کے اشارہ سے
آپ کے کسی بزرگ نے شاہزادہ کے نام سے موسوم کر کے نواح مراد آباد میں اعظم پورہ بانی

نامی ایک گاؤں آیا، بھرتا تھا۔

چونکہ اس وقت جگر صاحب کی عمر تخمیناً پانیس سال کی ہے لہذا اب آپ سن ۱۸۵۷ء میں عالم وجود میں آئے ہوں گے۔ عربی، فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم مکاتب مراد آباد میں ہوئی۔ پھر کچھ دنوں وہیں کے اسکولوں میں انگریزی پڑھی اور لکھنؤ میں لڑیں درجہ تک پڑھ کر ترکہ تعلیم کیا۔

چونکہ آپ کے والد صاحب جو نظر تخلص کرتے تھے۔ شاعری کے علاوہ موسیقی کے بھی ماہر تھے۔ اور انیسویں صدی کے اہم شعرا، میر علی شاہ، میر تقی میر اور پھر بھاجناب اشفاق مراد آبادی ایک بہت بڑے شاعر و ادیب تھے۔ ادھر مستورات میں شاعری جاری ساری تھی۔ اس لئے اندر سے باہر تک ہمہ وقت شعر و سخن ہی کا چرچا رہتا تھا۔ اور اس فضا میں شعری نے آپ پر ایک گہرا اثر ڈالا۔

آپ کے والد اور تایا صاحب کے مابین مذاق شعری میں اختلاف تھا۔ والد صاحب خواجہ وزیر کے تلامذہ میں موافق نہایت تھے اور تایا، حیثیت علیت مذاق شعری میں باپ سے بالاد برتر۔ اور قتیل کے معتقد تھے۔ دونوں صاحبان کے بچوں میں بھی اس اختلاف کی بنیاد پڑ گئی اور جگر صاحب نے اپنے برادر عموزاد کے مد مقابل بنکر ۱۱ سال ہی کی عمر سے شاعری شروع کر دی۔ آپ کے بھائی محمود احمد صاحب نے ایک دن آپ سے قتیل کی تعریف کی۔ آپ نے ”در کلاش بوسے کچوری جی آید“ کو دہرایا۔ اس پر کچھ برادرانہ مجادلہ رہا۔ اور آپ نے اسی جذبہ کے ماتحت ایک فارسی غزل کہی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

سہ کرد مارا بیک نظر اہ قتیل ختم برتست اے چہ رعنائی
اس زمانہ میں آپ نے ”برتست“ لکھا تھا۔

آپ نے پہلے اپنے والد ماجد سے پھر حمی صاحب، جابر، الفخر آبادی، "سے پھر دو تین غزلوں پر حضرت داغ مرحوم سے دہرے اور تھوڑے کلمات، بعد ازاں دو تین غزلوں پر خوشی، خوش صاحب رسا، شکوہ آبادی مرحوم سے اور ایک غزل پر مرزا محمد حسین رئیس اکبر آبادی سے اور ایک پر منشی امیر احمد تسلیم مرحوم سے اصلاح لی لیکن طبیعت کہیں بھی مطمئن نہ ہوئی۔ گو آپ کو قوائد زیادہ حضرت رسا مرحوم سے ہوئے لیکن صحیح معنوں میں آپ اپنا اس استاد حضرت صغر گونڈوی کو تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ رفعت، خیال اور تمام امور میں جو وہ نہ شاعری موصوف صغر صاحب ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوئے ہیں۔

جگر صاحب ابتدا ہی سے محرمیت و ہنگامی پسند اعلیٰ سے مجتنب اور آزاد و مراد مزاج ہستی ہیں۔ ابتدائی عمر میں وطن چھوڑا اور آئیں یہ سلسلہ تیار رہا چشمہ قیام پذیر رہے۔ وہیں پہلا معاشرہ ہوا۔ اس زمانہ سے تہج تک ایسے حالات و واقعات پیش آئے کہ دل میں دو گداز ہی پیدا ہوتا چلا گیا۔ مگر باوجود اس کے فطری اتقنا جوش و سستی کبھی فضا نہ ہوا جس نے ان باتوں میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔ آپ کا دل خون ہو کر رہا کیوں نہ بھاسے۔ مگر ہیرہ کی مسرت میں کبھی کمی نہ آئی۔ پائے گی۔ اور یہ تمام تر تاثرات آپ کی شاعری میں برابر موجود ہیں۔ حالات بہت جلد جلد بدلتے رہے۔ اور ان کا اثر آپ کی شاعری پر اس قدر بڑا ہے کہ دوسروں کے کلام میں ننگا آپ موجودہ دور کے شعراء مشابہ سے ہیں۔ تنقید آپ کا حصہ ہے۔ فسانہ کے متعلق آپ کا معیار یہ ہے کہ اردو میں کوئی نہیں جانتا۔ اور کوئی فسانہ ایسا نہیں ہے جو انگریزی سے مستخرج نہ ہو۔ ہنگامی البتہ مذاق سلیم رکھتے ہیں۔

شاعری کے باب میں آپ کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ شاعر ایک آرٹسٹ ہے جس کا کام اپنا کام کئے جانا ہے۔ اسے لوگوں کی تنقیدات کی طرف قطعی متوجہ نہ ہونا چاہئے اور ہر شے

سے لکے بیات پر نایاب ہے۔

آپ نے اکثر مضامین لکھے جو آزادہ مزاجی کے باعث نمایاں گئے۔ اشعارِ نثر کے عنوان سے کچھ مبدعانین تحریر کے جو ہیں، سب سے بہت سے مقرر مسائل میں شایع ہو چکے ہیں چند یاسی مضامین بنگلہ دیش کے دور میں لکھے تھے۔ نہ معلوم ان کا کیا حشر ہوا۔

ایک بہت ہی قابل قدر مختصر سار سال جس کو شاعری پر نفسیاتی تبصرہ لکھا چاہئے اور جس میں اردو شعرا اور شاعری جن منازل سے گزر رہی ہے۔ ان پر باقاعدہ تبصرہ کیا ہے غالباً حضرت اصغر گوٹھی کے پاس محفوظ ہے۔

دیوانِ ثانی پر ایک تبصرہ لکھا ہے۔ ”داغ بگر“ یعنی آپ کے کلامِ قدیم کا مجموعہ آپ سے یادگار ہے۔ موجودہ روش پر کہا ہوا کلام جنابِ جلیلِ قدوائی مرتب کر رہے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جناب بگر نے ایک روش خاص کا سنگ بنیاد رکھا ہے اور وہ ایک خاص اسکول کے بانی ہیں۔

دور۔ کانپوری

محمد سعید الحسن نام، دو تخلص، فیض الحسن انصاری کے صاحبزادے شیوخ انصار گنگوہی شریف سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ اب آپ کا خاندان کانپور منتقل ہو آیا ہے۔

دور صاحب ۱۹۱۸ء میں بمقام کانپور پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فارسی و اردو فارغ ہو کر آپ نے انٹرنش تک انگریزی پڑھی۔ اب صنعتی و حرفتی تعلیم کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ آپ کا خاندان علوم عربیہ میں ہمیشہ سے ممتاز رہا۔ طبیبانِ آبائی پیشہ تھے اور انہیں وجوہ

کی بنا پر ظلم و فتنل آب کا آبائی سرمایہ ہے۔ آپ نے ۱۹۲۳ء میں شہر و سخن کی طرل توجہ کی جنابا
جگر مراد آبادی سے اصلح لیتے ہیں۔

غزل

غرق موج بادہ کر دے ساقی محفل مجھے چھڑتا ہے آج اس عالم میں ساز دل مجھے
خود بنے نیلی۔ بنا یا پردہ محمل مجھے میرے نظارہ میں تم نے کر دیا حاصل مجھے
کچھ تو ہو عالم میں تیرے رنگیں کی بہار اور نظر آتی ہے کچھ صورت گری دل مجھے
شوق آوارہ سلامت اصغف پیہم برقرار ڈھونڈھ ہی لے گی کسی دن خود میری منزل مجھے
آپ تو خود پردہ ہر موج میں رقصاں ہے کر دیا محو تاشائے لب ساحل مجھے
اسد انتہائے اضطراب جستجو اب یہ عالم ہے نظر آتی نہیں منزل مجھے
عالم کیف تصور میں سراپا غرق ہوں قربت منزل بھی اب دوری منزل مجھے
دیکھنا محرومی شوق شہادت کا اثر اب تصور میں نظر آتا نہیں قاتل مجھے

سیاب۔ اکیر آبادی

بقیہ صفحہ ۵۰

عاشق حسین نام الشیخ صدیقی اور دارل فاندان میں مرید ہونے کے باعث خود کو صدیقی
الوارثی لکھتے ہیں۔ مولانا مولوی محمد حسین صاحب اکیر آبادی مرحوم و مغفور کے بیٹے مظلن اکیر آباد
ہیں۔ آپ کے اسلاف نواح قندھار سے پہلے متھرا اور پھر سلطنت مغلیہ کے زمانے میں آگرہ
آئے تھے۔

تعلیم و تربیت اس بچے والدہ مخبر کے زیر سایہ اجیر شریف میں پائی، عربی، فارسی اور انگریزی کی کئیں کے بعد آپ کچھ عرصہ تک ریلوے دفاتر میں ملازم رہے۔ مگر اب ۱۹۲۰ء سے آزاد زندگی بسر فرماتے ہیں۔ فن شعر میں بیخ الملک مرزا داغ دہلوی سے آپ کو فخرِ مخد حاصل ہے۔ مگر اس وقت آپ کا شمار اساتذہ وقت میں بہت ہے۔ آپ کا ایک خاص اسکول ہے جس سے استفادہ کر کے آپ کے کئی دیگر راہنماؤں اور رسالوں کی ادارت کر رہے ہیں۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اور اس وقت ہفتہ وار آج آپ کی ادارت میں اگر ہر ماہ نہایت کامیابی کے ساتھ دو سال سے جاری ہے۔ مشہور رسالہ ”ہیانہ“ کے بھی آپ مدیرِ مخلص ہیں۔ اور پندرہ روزہ اخبار ”شاعر“ اگر ہر بھی آپ کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے۔ ان جرائد کے علاوہ ملک کے اکثر جرائد و صحائف میں آپ کا نام لکھا جاتا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۴ سال ہے۔

بیجو، ڈبائیوی

بقیہ صفحہ ۵۰

بابورام نام ایجوکیشنل سوسائٹی کو اپنے وطن ڈبائی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں بنجاب ابراہیم عائدین دیچی ڈبائیوی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ انٹرنل تک تعلیم پائی ہے اور اس وقت تلمذِ کیرانی اسکول ڈبائی میں ملازم ہیں۔



